مصنّف

بشیر احمد آرچرڈ

مترجم

محمد زکریا ورک

مصنّف — بشیر احمد آرچرڈ۔ آکسفورڈ برطانیہ

ترجمہ اُردو — محمد زکریا وِرک۔ کنگسٹن۔ کینیڈا

ترجمہ نظرِ ثانی — حسن محمد خاں عارف۔ ٹورنٹو۔ کینیڈا

ناشر — محمد زکریا وِرک بی۔ اے، ایل ایل۔ بی

مقامِ اشاعت — لندن، انگلینڈ

قیمت — تین پونڈ

ملنے کا پتہ

1. 37 - TONSLEY HILL
   LONDON SW 18

2. ZAKARIEA VIRKE
   116 - BASSWOOD PLACE
   KINGSTON, CANADA

   Zakaria Virk
   ~~P.O. Box 65, Kingston, ON~~
   K7L 4V6 Canada

3. AHMADIYYA MISSION
   10610 - JANE ST, MAPLE, ONT
   CANADA

ترتیب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

تمام تعریفیں اُس ذاتِ والا صفات کے لئے ہیں جس نے اپنے اِس عاجز بندہ کو احمدیت کے ایک عظیم سپوت جناب بشیر احمد صاحب آرچرڈ مربّی اِنگلستان کی انگریزی کتاب "لائف سپریم" LIFE SUPREME کا اُردو ترجمہ کرنے کی سعادت نصیب کی اور پھر محض اس کی دی ہوئی استطاعت سے یہ کتاب اَب شائع ہو کر منصّۂ شہود پر آئی ہے۔

"لائف سپریم" سے میرا تعارف محترم عبدالرحمٰن صاحب دہلوی کے ذریعہ ہوُا تھا۔ کتاب کا مطالعہ کیا کرنا تھا کہ بےساختہ اس سے پیار ہو گیا اور یہ اس والہانہ پیار ہی کا نتیجہ تھا کہ محترم دہلوی صاحب کے ارشاد پر مَیں نے

بِلا حیل و حُجّت اُردو میں اس کے ترجمہ پر رضامندی کا اظہار کر دیا۔

جس وقت مَیں نے ترجمہ کا کام شروع کیا اُن دنوں خاکسار کا قیام ٹورنٹو میں تھا۔ مَیں کچھ پیراگراف کا یا بعض دفعہ ایک مکمّل باب کا ترجمہ کر کے شام کو دہلوی صاحب کو فون پر سُنا دیا کرتا تھا۔ ستمبر ۱۹۸۳ء میں خاکسار کو صُوبہ اونٹاریو کی سرکاری ملازمت کے تبادلہ کے سِلسلہ میں کِنگسٹن شہر میں نقلِ مکانی کرنی پڑی مگر اِس خلل کے باوجود مَیں یہ کام شہر کی پبلک لائبریری میں جا کر متواتر کرتا رہا اور یُوں زندگی کی دوسری مصروفیات اور ذِمّہ داریوں کے باوجود یہ کام محض اللہ کے فضل سے رفتہ رفتہ مکمّل ہو گیا۔ ترجمہ پر نظرِثانی محترم حسن محمد خاں صاحب عارؔف نے فرمائی مَیں انکا تہِ دِل سے ممنون ہوں کہ انھوں نے اِس سِلسلہ میں تعاون فرمایا۔

"عظیم زندگی" کی طباعت کے سِلسلہ میں جناب طاہر شمیم آغا صاحب آف ہملٹن نے اپنی بیگم مرحومہ زیتؔا کے ایصالِ ثواب کی خاطر تعاون فرمایا۔ اللہ تبارک تعالیٰ ان کی اہلیہ مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنّتی سکون نصیب کرے۔ آمین

مرحومہ آسٹریلیا کی باشندہ تھیں قبولِ دینِ حق کے بعد

آپ نے بہت جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔ بعد وفات ان کی تدفین مرکزِ احمدیت ربوہ میں ہوئی۔ اِسی طرح میری اہلیہ نے اپنی والدہ مرحومہ محترمہ رسول بی بی صاحبہ کی رُوح کو ثواب کے لئے طباعت کے سِلسلہ میں تعاون کیا اللہ تعالیٰ ان کی والدہ مرحومہ کو جنّت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

"عظیم زندگی" کا اصل لُطف تو درحقیقت انگریزی زبان میں ہی آ سکتا ہے کیونکہ اس زبان میں مصنّف کے خیالات و جذبات اور زندگی کے نچوڑ کا اظہار ہؤا ہے اُردو میں ترجمہ کرتے وقت بعض جگہ اِس لئے مافی الضمیر کا خیال رکھا گیا ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے یُوں محسوس ہوتا ہے گویا مصنّف ایک مذہبی عالم، ایک فلسفہ دان اور بعض جگہ گویا ایک زبردست سائنسدان ہے۔ جہاں مصنّف کو مذہبی معاملات میں عمیق نظر حاصل ہے وہاں قاری اِس بات کا بھی قائل ہو جاتا ہے کہ مصنّف کا اندازِ بیان دِل موہ لینے والا اور اس کی تحریر باغ میں مہکتے ہوئے پھُولوں کی طرح شگفتہ ہے۔

"عظیم زندگی" کو آپ جتنی بار پڑھیں گے اس سے بے اِنتہا لطف اندوز ہوں گے۔ زندگی کے ہر شعبہ، ہر

پہلو پر اِس کتاب میں روشنی ڈالی گئی ہے۔میری دِلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس کتاب کو بُہتوں کے لئے ہدایت کا موجب اور مشعلِ راہ بنائے۔

بچپن میں مجھے "خلافت لائبریری" جا کر مطالعہ کرنے کی عادت ڈالی گئی اور یہ ترجمہ درحقیقت اسی عادت کا نتیجہ ہے کہ آج بھی جو سکون اور بے انتہاء لُطف لائبریری جا کر آتا ہے وہ ناقابلِ بیان ہے۔

محمد زکریا وِرک
اِبن الحاج محمد ابراہیم صاحب خلیل
کِنگسٹن کینیڈا
۱۹۸۹ء

○

داستان میری

(از مصنّف)

میری پَیدائش اِنگلستان کے جنوبی ساحلی علاقہ ڈیون (DEVOIN) میں ٹورکی (TORQUOY) نامی ایک خوبصورت قصبہ میں (جو سَیر گاہ کے طور پر مشہور ہے) ۲۶ر اپریل ۱۹۲۰ء کو ہوئی۔ میرے والد ڈاکٹر تھے اور میری والدہ شادی سے پہلے نرس کا کام کرتی تھیں۔ میرے والدین کا تعلق ایک متوسّط گھرانے سے تھا۔ میرے دادا بھی ڈاکٹر تھے اور نانا ایڈمرل —— ہم تین بھائی تھے میرا سب سے بڑا بھائی (جو مجھ سے تین سال بڑا تھا) نیوی میں بھرتی ہو گیا تھا دوسری عالمگیر جنگ میں اس کا بحری جہاز دشمن نے ڈبو دیا اور یُوں وہ بے چارا عین جوانی کے عالم میں اِس دُنیا سے رخصت ہو گیا میرے دوسرے بھائی کا مَیلانِ طبع شروع ہی سے مذہب کی طرف تھا۔ وہ دراصل میری اُس خالہ سے بہت متأثر تھا جو چین میں چالیس سال تک بطور مشنری کام کرتی رہی تھیں۔ اس تأثر کے تحت جب وہ جوان ہؤا تو پروٹسٹنٹ فرقے کا پادری بن گیا مگر جلد ہی یہ پیشہ چھوڑ کر ایک سکول میں بطور ٹیچر ملازمت اختیار کر لی لیکن وہ اِس ملازمت میں بھی زیادہ عرصہ تک نہ رہا اور روم چلا گیا وہاں تعلیم و تربیت کے بعد وہ رومن کیتھولک چرچ کا پادری بن گیا۔ میری والدہ بھی مذہب سے بہت دلچسپی رکھتی تھیں اور باقاعدہ گرجے جایا کرتی تھیں۔ میرے بھائی کے رومن کیتھولک بن جانے کے بعد میری والدہ نے بھی

رومن کیتھولک مذہب اختیار کر لیا اِس کے برعکس میرے والد مذہب سے کوئی دلچسپی نہ رکھتے تھے۔

مَیں تین سال کا تھا جب میرے والدِ محترم نے ایک پہاڑی پر مکان خریدا جہاں سے سمندر کا نظارہ کیا جا سکتا تھا اِس لئے میرا بچپن کھیتوں، جنگل اور ساحلِ سمندر ہی پر گھومتے پھرتے گذرا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ مَیں صبح سویرے MUSHROOMS اکٹھا کرنے کھیتوں میں نکل جایا کرتا تھا اور دوسرے لوگوں کے گھروں سے نکلنے سے قبل اپنا شوق پورا کر کے گھر لوٹ آیا کرتا تھا۔ سکول کی کتابوں اور مضامین سے مجھے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی اِسی لئے جب مَیں نے سولہ سال کی عمر میں سکول چھوڑا تو میرے پاس کوئی قابلِ ذکر سند نہ تھی۔ شاید اِسی لئے جب ایک دفعہ مَیں نے اپنے والد سے ڈاکٹر بننے کی خواہش کی تو انہوں نے صاف صاف کہہ دیا "تمہیں پڑھائی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اِس لئے اِس خیال کو دماغ سے نکال دو۔"

فوجی زندگی

مَیں نے ۱۹۳۶ء میں سکول کو خیر باد کہا۔ اِسی دَوران میں میرے والدین میں علیحدگی ہو گئی۔ میری والدہ پہلے باتھ (BATH) نامی شہر میں اور پھر برسٹل کے شہر میں مستقل طور پر رہائش پذیر ہو گئیں۔ میرے سامنے چونکہ اَب کوئی مستقبل نہ تھا اِس لئے مَیں فوج میں بھرتی ہو گیا جہاں میری تنخواہ دُو شلنگ یومیہ تھی۔ فوجی ملازمت کا یہ معاہدہ سات سال کے لئے تھا مگر میری طبیعت دُو سال بعد ہی اِس زندگی سے اُکتا گئی۔ مَیں نے اپنے والد کو لکھا کہ جس طور پر ممکن ہو مجھے فوج سے نجات دلائیں چنانچہ انہوں نے چند دن بعد

۳۵ پونڈ کا چیک مجھے بھجوا دیا جس کی ادائیگی کے بعد مجھے فوج سے ڈسچارج مِل گیا۔

کچھ عرصہ تک مَیں اپنی والدہ کے ساتھ رہائش پذیر رہا یہاں تک کہ میرے دِل میں پھر فوج میں جانے کا شوق پیدا ہؤا اور مَیں نے جُز وقتی فوجی ملازمت اختیار کر لی جس میں مجھے ہفتہ میں صرف ایک شام ٹریننگ کے لئے جانا پڑتا تھا۔ ان دنوں برطانیہ جنگی تیاریوں میں مصروف تھا بالآخر اس نے ۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کو جرمنی کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا جس کے بعد میری فوجی یونٹ کو بھی کُوچ کا حکم مِل گیا اور یُوں مَیں ایک بار پھر باقاعدہ فوجی بن گیا۔ ہمیں فرانس بھیجا گیا وہاں سے بلجیئم۔ جہاں سے جرمن فوجوں کی یلغار کی تاب نہ لاکر ہم واپس ڈنکرک (DUNKIRK) پسپا ہو گئے جہاں سے تمام برطانوی فوج کا اِنخلاء ہؤا اور یوں ہم واپس برطانیہ پہنچ گئے جہاں سے ہمیں ایک ٹرین میں بٹھا کر ویلز کے علاقہ میں پہنچا دیا گیا۔

۱۹۴۱ء میں مَیں نے ہندوستان میں متعیّنہ فوج میں کمیشن کے لئے درخواست دی مختلف جگہوں پر انٹرویوز کے بعد مجھے بطور کیڈٹ آفیسر چُن لیا گیا جس پر مَیں نے ۱۹۴۲ء میں ہندوستان کا رُخ کیا۔ ہمارا جہاز دو ماہ کے بعد بمبئی کی بندرگاہ پر پہنچا جہاں سے ہم بنگلور پہنچے اور مَیں چھ ماہ کی ٹریننگ کے بعد ڈوگرہ رجمنٹ میں بطور سیکنڈ لیفٹیننٹ متعیّن ہؤا جو جالندھر چھاؤنی میں تھی یہاں سے بعد میں مجھے "انڈین آرمی آرڈی ننس کارپس" میں تبدیل کر کے آسام اور برما کے محاذ پر بھجوا دیا گیا ـــــ یہاں ایک معرکہ میں جب مَیں منی پور پہاڑ پر متعیّن تھا اور جاپانیوں نے ہمارا مکمّل محاصرہ کر رکھا تھا اور ہم پر ہر طرف سے بمباری ہو رہی تھی ہمارا محاصرہ دو ہفتے تک جاری رہا ہمیں سامان خورد و نوش پیراشوٹوں کے ذریعہ ملتا رہتا تھا یہاں تک کہ ہمیں تازہ کمک

پہنچ گئی اور ہم دشمن کے نرغے سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہاں کا ایک خاص لمحہ تو مجھے ابھی تک روزِ روشن کی طرح یاد ہے میری زندگی کا بڑا ہی سنسنی خیز لمحہ —— ہم خندقوں میں بیٹھے تھے کہ اچانک مجھے اعلیٰ افسر نے بلوا بھیجا جونہی مَیں خندق سے نکلا ایک گولہ خندق پر گرا اور میرے تمام ساتھی موت کا لقمہ بن گئے۔ یہ واقعہ ۱۹۴۴ء کا ہے۔

اِسلام کا پیغام

مجھے عیسائیت نے کبھی متأثر نہیں کیا۔ اِسلام کے متعلق مجھے اس وقت تک کچھ معلومات نہ تھیں البتہ اپنے ایک برہمن دوست کی وساطت سے کچھ عرصہ ہندو مذہبی لٹریچر ضرور پڑھا۔ اس وقت تک مَیں نے یا تو پنڈت نہرو کی کتاب "تاریخِ عالم کی جھلکیاں" انگریزی زبان میں پڑھی تھی یا میرے لئے مغل بادشاہوں کے حالات دلچسپی کا باعث تھے۔

عام نوجوانوں کی زندگی کی دلچسپیاں —— سگریٹ نوشی اور شراب نوشی تھیں مَیں بھی سولہ سال کی عمر ہی سے اِن دونوں چیزوں کا عادی تھا۔ جؤا کھیلنا تو میری طبیعتِ ثانیہ تھی اس پر مُستزاد ناچ گانے اور سینما دیکھنے کی عادت۔

مذہبِ اِسلام قبول کرنے کے بعد اِن تمام مذکورہ عادتوں میں سے جس عادت سے سب کے بعد چھٹکارا مِلا وہ سگریٹ نوشی تھی۔ اگرچہ اسلام نے اسے حرام قرار نہیں دیا تاہم اسے ایک مکروہ فعل سمجھا جاتا ہے۔

اِسلام کا پیغام مجھ تک سب سے پہلے ایک احمدی حوالدار کلرک نے پہنچایا جو اُس وقت میری یُونٹ میں ملازم تھا۔ اُس وقت ہم برما کی سرحد کے قریب امپھال کی چوکی

میں متعین تھے۔ اس احمدی کا نام عبدالرحمٰن دہلویؓ تھا۔ مجھے یہ بات کبھی سمجھ میں نہیں آئی کہ ہماری یونٹ میں کئی اور انگریز فوجی افسر بھی تھے اُن سب میں سے اُس نے مجھے ہی کیوں اِس دعوت کے لئے چُنا ــــ ہؤا یوں کہ اس نے قادیان لکھا کہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی تصنیف "اسلامی اصول کی فلاسفی" اِس افسر کے ایڈریس پر بھجوائی جائے۔

قادیان سے چنانچہ وہ کتاب بذریعہ ڈاک مجھے مِل گئی لیکن اس وقت مجھ میں وہ روحانی استعداد نہیں تھی اِس لئے مَیں اس سے کماحقّہٗ استفادہ نہ کر سکا البتہ اسلامی تعلیم کے بعض حصّوں نے مجھے بہت متأثر کیا۔ مجھے دو ہفتوں کی چُھٹّیاں تھیں اور مجھے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ دِن کہاں گزاروں۔ عبدالرحمٰن نے تجویز پیش کی کہ اس کے کچھ دوست قادیان میں رہتے ہیں مَیں وہاں چلا جاؤں اور یہ تعطیلات کے دِن وہاں گزاروں۔ قادیان وہاں سے تقریباً ایک ہزار میل دُور تھا بہت لمبا سفر پھر یہ جگہ بھی میرے لئے اجنبی تھی چنانچہ مَیں نے چند دِن بعد اسے بتلایا کہ مَیں وہاں نہیں جا رہا۔ یہ سُنکر اُس کا چہرہ اُتر گیا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسے بہت صدمہ ہؤا ہے یہ دیکھ کر مَیں نے ارادہ بدل دیا اور چند دن قادیان میں گزارنے ہی کا پروگرام مرتّب کر لیا۔

امپھال کی چھؤکی سے جنگل میں واقع منی پور کا اسٹیشن کوئی ۸۰ میل کے فاصلہ پر تھا اور یہی نزدیک ترین اسٹیشن تھا۔ یہ سڑک سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی پہاڑیوں اور جنگلوں میں سے گزرتی تھی بہرحال مَیں نے جُوں تُوں یہ فاصلہ طے کیا اس کے بعد

لہ دہلوی صاحب آجکل ٹورنٹو (کینیڈا) میں اپنے بیٹوں کے پاس مقیم ہیں۔

ریل کا سفر شروع ہؤا اور یُوں مجھے قادیان پہنچنے میں ایک ہفتہ لگ گیا۔

قادیان میں

قادیان پہنچ کر معلوم ہؤا کہ یہ الگ تھلگ چھوٹا سا قصبہ ہے۔ قادیان کے اسٹیشن پر مجھے لینے کے لئے کوئی موجود نہ تھا کیونکہ کسی کو میرے آنے کی اِطلاع نہ کی گئی تھی مَیں نے ایک ٹانگہ لے کر کوچوان کو مفتی محمد صادق صاحب کا نام لیا وہیں شاید میری رہائش کا انتظام کیا گیا تھا۔ گرمیوں کا موسم تھا۔ تانگہ ناہموار سڑک پر چلتا ہؤا تنگ گلیوں میں سے گزرتا ہؤا ایک جگہ پہنچ کر رُک گیا۔ سامنے دیوار تھی جس کے پیچھے سیڑھیاں تھیں جن کو عبور کر کے اُوپر کی منزل کا دروازہ کھٹکھٹایا، دروازہ کُھلنے پر ایک سفید ریش معمّر بزرگ نمودار ہوئے یہ مفتی محمد صادق صاحب تھے مَیں نے اپنا تعارف کرایا مفتی صاحب نے مجھے خوش آمدید کہا اور کوچوان کو ہدایت کی کہ مجھے مہمان خانہ لے جائے جہاں وہ تھوڑی ہی دیر میں خود بھی پہنچ گئے اور کافی دیر تک میرے ساتھ گفتگو فرماتے رہے۔ بعد میں مجھے معلوم ہؤا کہ حضرت مفتی صاحب امریکہ میں اِسلام کے پہلے مبلّغ اور حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے اصحابِ خاص میں سے تھے۔

اگلے دن حضرت مفتی صاحب نے مجھے قادیان کی سَیر کرائی اور مختلف جگہیں دکھائیں۔ مجھے اَب تک یاد ہے کہ مَیں نے اِس سَیر کے دَوران مفتی صاحب سے دریافت کیا تھا کہ جماعتِ احمدیہ کا سگریٹ نوشی کے بارہ میں کیا مؤقف ہے تو انہوں نے جواباً فرمایا تھا کہ اگرچہ یہ حرام نہیں تاہم ایک مکروہ و ناپسندیدہ امر ہے۔

میرا قیام قادیان میں صرف دُو دن رہا انہی دُو دنوں میں حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد

سے بھی ملاقات ہوئی۔ ان سے ملاقات لاریب میری زندگی کا اہم ترین واقعہ ہے۔ گو مَیں اُس وقت ان کے بلند رُوحانی مقام سے واقف نہ تھا پھر بھی ان سے ملاقات کے وقت مجھے یوں محسوس ہؤا کہ مَیں کسی اَور دُنیا میں ہوں۔ وہ اپنے گھر کے برآمدے میں تشریف فرما تھے گفتگو شروع ہوئی تو مَیں نے عرض کی میرے نزدیک تو بہتر زندگی گزارنے کے لئے توریت کے دسؔ احکام پر عمل کرنا ہی کافی ہے جس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ یہ دسؔ احکام تو مجمل حیثیّت رکھتے ہیں زندگی کے ہر شعبہ میں ان کی تفصیل و وضاحت کی ضرورت ہے۔ مثلاً ایک حکم ہے "قتل نہ کرو" لیکن بظاہر کئی ایسے مواقع جن پر جان لینا ضروری ہوتا ہے یا کن مراحل پر جان لینا منع ہے اور کن مواقع پر نہیں اس پر صرف اِسلام روشنی ڈالتا ہے اور ہر حکم کی فلاسفی بھی بیان کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

مَیں نہ صرف ان کے نورانی چہرے اور ان کی مقناطیسی شخصیّت سے متأثر ہؤا بلکہ ان کی گفتگو اور دِلرُبا مُسکراہٹ بھی ہمیشہ کے لئے میرے دِل میں گھر کر گئی۔ اُسوقت یہ احساس شدّت سے تھا کہ مَیں کسی عام آدمی سے ملاقات نہیں کر رہا بلکہ ایک نہایت اعلیٰ ہستی اِس وقت میرے سامنے ہے۔

قادیان کا ہر باشندہ ہی مجھ سے خندہ پیشانی سے پیش آیا۔ سب سے بڑی چیز جس نے مجھے اِسلام کی طرف راغب کیا وہ یہی حُسنِ سلوک تھا۔ گو اُس وقت میرا عِلم اِسلام کے بارے میں صفر تھا مگر مَیں نے اپنے دل کو سمجھایا کہ جس درخت کے پھل ایسے میٹھے ہوں وہ درخت بھی یقیناً اعلیٰ ہو گا۔

میری واپسی پر ایک اَور واقعہ پیش آیا جس نے میری زندگی میں تغیّر رُونما کیا مَیں امرتسر اسٹیشن پر دوسری گاڑی کے انتظار میں تھا۔ ویٹنگ رُوم میں دوسرے افسر

بھی موجود تھے جو شراب نوشی میں مصروف تھے ان کی حالت دیکھ کر مجھے سخت کراہت ہوئی اور قادیان کا پاکیزہ ماحول میری آنکھوں میں پھر گیا۔ وہی وقت تھا جب مَیں نے مصمّم ارادہ کیا کہ آئندہ شراب نوشی سے پرہیز کروں گا چنانچہ اپنے یونٹ میں واپس پہنچنے پر سب سے پہلا کام یہی کیا کہ شراب کی جتنی بوتلیں میرے پاس تھیں سب پھینک دیں۔

اَب ہماری فوج پیش قدمی کر رہی تھی اور جاپانی فوج پسپا ہو رہی تھی ہم نے برما کے ایک قصبہ "میک تلّہ" میں پڑاؤ کیا اور اسی قیام کے دَوران مَیں نے احمدیّت یعنی حقیقی اِسلام کو قبول کرنے کا فیصلہ کیا اور بَیعت فارم پُر کر کے قادیان بھجوا دیا۔

بے شک یہ ایک بہت بڑا قدم تھا جو مَیں نے اُٹھایا لیکن اب مجھے احمدیت قبول کئے چالیس سال سے زیادہ عرصہ ہو رہا ہے مَیں نے اِس عرصہ میں اپنے رَبّ کے بیشمار فضلوں اور احسانوں کا مشاہدہ کیا ہے۔

بَدعَادات سے نجات

شراب نوشی کے علاوہ مجھے قمار بازی کی لَت بھی تھی۔ مَیں گھوڑ دوڑ پر، کُتّوں کی دَوڑ پر یا تاش کی بازی پر جُوا کھیلا کرتا تھا۔ مجھے خوب یاد ہے ایک دفعہ جب مَیں امپھال میں تھا مَیں نے اپنے پورے مہینے کی تنخواہ دوسرے افسروں کے ساتھ جُوا کھیلنے میں لُٹا دی تھی خدا کا شُکر کہ اسلام لانے کے بعد مجھے اِس بَدعادت سے بھی نجات مِلی اور اِس کے برعکس کتنی ہی اچھی عادتیں ودیعت ہوئیں۔ مثلاً

(۱) احمدیت قبول کرنے سے پیشتر مَیں نے کبھی ایک پیسہ بھی خیرات و سخاوت میں نہیں دیا تھا اِسلام نے مجھے اللہ کی راہ میں مال کی قربانی کا

فلسفہ سمجھایا اور مَیں بخوشی اس کی راہ میں مال دینے لگا۔

- شروع شروع میں اپنی آمد کا ۱/۱۶ حصّہ ادا کرتا رہا اور بعد میں اس کو بڑھا کر ۱/۱۰ کر دیا۔
- آخر کار ۱۹۶۷ء میں مَیں نے اپنی آمد کے ۱/۳ حصّہ کا نذرانہ خدا تعالیٰ کی راہ میں پیش کر دیا اور بفضلہ تعالیٰ تادمِ تحریر اپنے اِس عہد پر قائم ہوں۔

اگرچہ میری آمدنی بہت قلیل ہے تاہم اِس لازمی چندہ کے علاوہ باقاعدہ زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہوں اور دیگر تحریکات کے چندے (مثلاً تحریکِ جدید، جوبلی فنڈ اور انصار اللہ کا چندہ) بھی باقاعدہ ادا کرنے کی توفیق مِل رہی ہے۔

ذہنی سکون

اِسلام پوشیدہ طور پر نیکی کرنے کا حکم دیتا ہے اور ظاہر طور پر بھی —— مَیں نے اپنے چندوں کا ذکر اسلام کے اسی حکم کے تحت کیا ہے وہ بھی اِس لئے کہ مجھ پر سوال کیا گیا ہے کہ احمدیت قبول کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھ پر جو فضل فرمائے اور میری زندگی میں جو تغیّر رُونما ہوئے انہیں بیان کروں حقیقت یہ ہے کہ صرف مال چنداں خوشی اور قناعت نہیں دے سکتا امن اور سکون بخشنا خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور مَیں یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ آج مجھے وہ ذہنی اطمینان اور سکونِ قلب میسّر ہے جو ایک زمانہ میں میرے خواب وخیال میں بھی نہ تھا۔

احمدیت کے طفیل ایک اَور تغیّر جو میری زندگی میں رُونما ہوا وہ نمازوں کی باقاعدہ ادائیگی کا ہے۔ خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے" ذکرِ الٰہی سے قلوب طمانیت

حاصل کر سکتے ہیں" (۱۳ : ۲۹)۔ مَیں ابھی اِس میدان میں مبتدی ہوں لیکن مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی تحریروں اور ملفوظات سے بہت کچھ پایا ہے۔ مجھے اِس بات پر سخت تعجب ہوتا ہے کہ مسلمان کہلانے والا ایک شخص جو خود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسُوب کرتا ہو وہ خدا تعالیٰ کے اِس حکم کی نا فرمانی کیونکر کر سکتا ہے اور فرض نمازوں کی ادائیگی سے کیسے غافل رہ سکتا ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک دفعہ جب مَیں اسلام لانے کے بعد قادیان گیا تھا مَیں نے مسجد مبارک کے باہر نوٹس بورڈ پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا یہ ارشاد لکھا ہوُا پڑھا کہ جس شخص نے گذشتہ دس برسوں میں ایک نماز بھی عمداً چھوڑی وہ سچّا احمدی نہیں کہلا سکتا۔

تین خواب

خوابیں ہر شخص کو آتی ہیں بلکہ بعض محقّقین کی دریافت کے مطابق تو جانوروں کو بھی خوابیں آتی ہیں مگر اپنے نیک بندوں کو خدا تعالیٰ ازل سے خوابوں کے ذریعہ اپنا چہرہ دکھلاتا رہا ہے قرآن مجید اور دیگر صحیفے ایسے واقعات سے بھرے پڑے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے خوابوں کے ذریعہ مستقبل میں رُونما ہونے والے واقعات کے بارے میں علم یا پیغامات یا اِطلاع اپنے نیک بندوں کو دی۔ مجھے زمانۂ احمدیت سے پہلے کی اپنی کوئی خواب یاد نہیں مگر احمدیت قبول کرنے کے بعد مجھے اپنی کوئی خواب نہیں بھُولی اتنا عرصہ گزرنے کے بعد بھی وہ میرے دل و دماغ میں اسی طرح مستحضر ہیں جیسے کہ (خواب) دیکھنے کے روز تھیں۔ مَیں یہاں ان خوابوں میں سے صرف تین کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

(۱) مَیں نے ۱۹۴۵ء میں احمدیت قبول کی اس زمانہ کی بات ہے مَیں نے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو خواب میں دیکھا جو قادیان کی مسجد مبارک میں کھڑے تھے آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا "حقیقی زندگی بسر کرنے کے لئے تمہیں غموں سے گھبرانا نہیں چاہیئے" پھر انہوں نے اپنا داہنا ہاتھ اُوپر اُٹھایا جس میں چھڑی پکڑی ہوئی تھی اور بڑے زور سے فرمایا "اور اس میں شک کی گنجائش نہیں۔"

(۲) ۱۹۵۸ء میں تھوڑے عرصہ کے لئے مَیں قادیان گیا مَیں مہمان خانہ میں سو رہا تھا کہ خواب میں دیکھا کوئی شخص پیالہ میں میرے لئے ملائی لے کر آیا ہے اور مجھے بتایا گیا کہ یہ ملائی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے لئے تیار کی گئی تھی مگر کسی وجہ سے اَب مجھے دی جا رہی ہے۔

(۳) تیسری خواب مجھے اس وقت آئی جب مَیں "ویسٹ اِنڈیز" میں بطور مبلّغ اِسلام کام کر رہا تھا۔ مَیں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت المصلح الموعود میرے لئے ایک پیالہ لائے ہیں جسے انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑا ہؤا ہے اِس طرح کہ پیالہ میرے مُنہ کو لگا ہؤا ہے پیالے کے اندر مَیں نے جھانکا تو دیکھا اس میں دُودھ ہے اور تھوڑی سی ڈبل روٹی بھی ہے۔

اگرچہ اِن خوابوں کی اہمیت مجھ پر واضح ہے مگر مَیں اِن کی تعبیر میں نہیں جانا چاہتا۔

دیرینہ خواہش کی تکمیل

احمدیت قبول کرنے سے قبل مَیں نے اپنی زندگی کا کوئی خاص مقصد متعیّن نہیں کیا تھا۔ مستقبل کے لئے کوئی خاکہ میرے ذہن میں نہ تھا۔ جنگ کے دَوران میں ایک برطانوی سپاہی تھا جو جبری بھرتی کا نتیجہ تھا۔ میری زندگی کُھلے سمندر میں ایک شکستہ ناؤ کی مانند تھی

جو موجوں کے ساتھ ساتھ اِدھر اُدھر ہچکولے کھاتی پھرتی ہو اس کے باوجود بچپن ہی سے میرے دِل میں خواہش تھی کہ مَیں کوئی غیر معمولی کام سرانجام دوں۔ اُس وقت میری عمر کوئی دس برس کی ہوگی جب میرے دِل میں یہ خیال پختگی سے بیٹھ گیا تھا کہ مَیں عام لوگوں کی طرح زندگی نہ گزاروں بلکہ کوئی غیر معمولی کام کرکے دُنیا میں نام پَیدا کروں۔

احمدیت قبول کرکے مَیں یہ محسوس کرتا ہوں کہ مَیں نے اپنی اِس دیرینہ خواہش کو (جو میرے لاشعور میں ہر وقت موجود رہی) پُورا کیا ہے۔ جیساکہ درج ذیل واقعات سے ظاہر ہوگا۔

جب ۱۹۴۵ء میں دوسری عالمگیر جنگ ختم ہوئی اور مَیں اِنگلستان واپس پہنچا تو مَیں فوری طور پر فوج سے فارغ کر دیا گیا تھا۔ مَیں سیدھا اپنی والدہ کے پاس برسٹل (BRISTOL) پہنچا اور چند دن قیام کرنے کے بعد "لنڈن مسجد" ڈھونڈنے نکل کھڑا ہؤا جہاں اُس وقت مولٰنا جلال الدین شمسؔ مرحوم امام مسجد تھے۔ مَیں نے وہاں پہنچ کر اپنا تعارف کرایا اور مشن میں کام کرنے کی خواہش کا اِظہار کیا اور ساتھ ہی اِسلام کی خاطر زندگی وقف کر دینے کے ارادے کا بھی ـــــ مولٰنا شمسؔ یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے رسالہ ریویو آف ریلیجنز میں تحریر کرتے ہیں :-

" فوج سے فراغت حاصل کرنے کے بعد جب وہ اِنگلستان پہنچے تو دُو دن اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ رہنے کے بعد تیسرے دِن وہ لندن مسجد پہنچے اور گفتگو کے دَوران انہوں نے مسجد میں ہی قیام کرکے بطور مبلّغ اِسلام کام کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ مَیں نے انہیں ایک مبلّغ کی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا مگر وہ اپنے عزائم پر ڈٹے رہے

آخر کار مَیں نے کہا کہ مَیں اِس بارہ میں مزید سوچوں گا اور جلد ہی انہیں مطلع کروں گا۔ میری اِس ہچکچاہٹ پر یہ کچھ افسُردہ ہو گئے اور چند دنوں کے بعد سلسلہ کے دیگر واقفین کی طرح بِلا شرط اِسلام کی راہ میں اپنی زندگی وقف کر دی اور مَیں نے ان کی درخواست حضرت امیر المؤمنین کی خدمت میں برائے منظوری بھجوا دی اِس سفارش کے ساتھ کہ یہ مفید مبلّغِ اِسلام بن سکتے ہیں۔ مَیں نے انہیں مسجد میں آنے اور ٹھہرنے کی دعوت دی تاکہ وہ اِسلام کے بارہ اَور سیکھ لیں۔ حضرت امیر المؤمنین نے نہایت شفقت کے ساتھ اِس درخواست کو منظور فرمایا اور مسٹر آرچرڈ دیگر مبلّغین کی طرح میدانِ تبلیغ میں کام کرنے لگے۔"

(ریویو آف ریلیجنز جون ۱۹۴۰ء)

خدا تعالیٰ کی مشیّت بڑے عجیب انداز سے کام کرتی ہے اس نے چاہا کہ اس کا یہ حقیر بندہ پہلا یورپین احمدی مسلم مبلّغ بنے۔

یہ خدا تعالیٰ کا ایک عظیم اِحسان ہے جو اُس نے مجھ ناچیز پر فرمایا اور میرے لئے ایک بہت بڑا اِعزاز حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اِس خاکسار کو مشورہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

"بے شک آج تمہیں کوئی نہیں جانتا اور کسی نے تمہارا نام نہیں سُنا لیکن یاد رکھو ایک زمانہ آئے گا کہ قومیں تم پر فخر کریں گی اور تمہاری تعریف کے گیت گائیں گی اِس لئے تم اپنے کردار اور گفتار پر نظر رکھو یہ مت خیال کرو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو وہ تمہارا ذاتی فعل ہے بلکہ وہ تمام برطانوی قوم کی طرف منسوب ہو گا آئندہ آنے والی نسلیں تمہاری پیروی کریں گی۔ اگر

تمہاری حرکات اور تمہارا کردار اِسلامی تعلیم کے مطابق ہوگا اور تمہارے افعال عظیم ہوں گے تو ان کو دیکھ کر تمہاری قوم کی اَخلاقی حالت سُدھر جائے گی لیکن اگر تمہارے افعال اس معیار پر پُورے نہ اُترے اور اسلامی تعلیم کے مطابق نہ ہوئے تو تمہاری قوم کو نقصان ہوگا اِس لئے کوشش کرو کہ آئندہ آنیوالی نسلوں کے لئے اعلیٰ نمونہ قائم کرو ورنہ خدا تعالیٰ اپنے کِسی اَور بندے کا اِنتخاب کرے گا جو یہ کام کر سکے ــــــ جب احمدیت کا دُنیا میں غلبہ ہو جائے گا اور انشاء اللہ ایسا ہوگا تو دُنیا کی کوئی طاقت ایسی نہیں جو اس غلبہ کو روک سکے تب لوگوں کے دلوں میں تمہارے لئے عظمت ہوگی اس عظمت سے بھی زیادہ جو ان کے دلوں میں بڑے وزیرِ اعظم کیلئے ہے۔"

(ریویو آف ریلیجنز جون ۱۹۴۷ء)

اور مَیں اپنی زندگی کی یہ مختصر داستان خدائے عزّ وجل کی حمد اور اس کے فضل اور احسانات کے ذکر پر ختم کرتا ہوں۔

(انگریزی سے ترجمہ رشید احمد چودھری لندن)

از رسالہ مُسلم ہیرالڈ، لندن

(۱)

اَخلاقی اَقدار کا نمود

جنہوں نے سکاٹ لینڈ کے شہر ایڈنبرا کی سَیر کی ہے انہوں نے پرنس سٹریٹ پر ویوِرلی اسٹیشن سے سَو گز کے فاصلہ پر ایک یادگار بھی دیکھی ہوگی جو مشہور سکاٹ مصنّف اور مؤرّخ سر والٹر اسکاٹ کی یاد میں تعمیر کی گئی تھی۔ ئیں جب بھی اس کو دیکھتا ہوں تو مجھے اس کے وہ آخری الفاظ یاد آتے ہیں جو اس نے اپنی موت سے قبل اپنے داماد سے کہے تھے :۔

”میری زندگی کے اَب چند ہی لمحات باقی ہیں میری یہ تمہیں نصیحت ہے کہ اچھے اِنسان بنو، نیکیوں کو اختیار کرو، دین کو اختیار کرو اور جب آخری آرامگاہ کی طرف آنے کا وقت آئے گا تو تمہیں اس سے بہتر چیزیں کام نہیں آئیں گی“۔

سر والٹر اسکاٹ نے اگرچہ اَدبی دُنیا میں بڑا نام پَیدا کیا اور بے شمار قارئین اس کی بہت تعریف کرتے ہیں مگر حیات کے آخری لمحات میں وہ یہ سمجھ گیا کہ زندگی کی سب سے زیادہ قیمتی متاع نیک بننا اور نیکی کا اختیار کرنا ہے چنانچہ اس نے اِسلام کی ایک بہت بڑی صَداقت کو پہچانا جو قرآن مجید میں یُوں بیان ہوئی ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (۵۱ : ۵۷) ترجمہ : ئیں نے جِنّ اور انسان کو نہیں پَیدا کیا مگر یہ کہ وہ میری عبادت

کریں۔ اِس آیتِ کریمہ میں خدا تعالیٰ کی عبادت سے مراد نماز پڑھنا ہی نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے خیالات میں اور اعمال اور کلام میں خدا کی صفات اختیار کریں اور نیک اخلاق کے ذریعہ اس کی حمد اور تعریف کریں حقیقت میں یہی ہماری ہستی کا مقصد ہے اور اسی پر ہمیں اپنی تمام توجہ مرکوز کرنی چاہیئے۔ رفتہ رفتہ ہمیں اپنے ہر خیال ہر لفظ اور ہر کام حتّٰی کہ ہمارے چہرہ کے آثار سے بھی نیکی کا نور نمایاں ہو۔ مندرجہ ذیل دعا ہمارے لئے چراغِ راہ ہونی چاہیئے :۔

"اِلٰہی میری زبان کو نور سے بھر دے۔ نور ہی میرے دائیں اور نور ہی میرے بائیں ہو۔ نور ہی میرے اُوپر ہو اور نور ہی میرے نیچے ہو اور نور ہی سے مجھے بھرپور کر دے۔"

قرآن پاک میں ایک جگہ بیان ہوا ہے کہ نیکی کے اِنتہائی درجہ تک پہنچنا ہماری زندگی کا اوّلین مقصد ہونا چاہیئے اور ہر مومن کی خواہش بھی یہی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (۴۹ : ۱۴) ترجمہ: یقیناً تم میں سے معزّز وہی ہے جو تم میں سب سے زیادہ متّقی ہے۔

ہماری ہستی کا مقصد قرآن مجید کھُلے الفاظ میں یوں بیان کرتا ہے کہ ہمیں نیکیوں کے کرنے میں سبقت حاصل کرنی چاہیئے۔ اتنی عظیم الشان چیز کا ہمیں علم ہو گیا ہے تو پھر کسی اَور خواہش کے حصول کی ضرورت ہی کیا ہے۔ یقیناً تمنّائیں تو ہزاروں ہی ہوتی ہیں لیکن کیا ہی اچھا ہو کہ سب سے بڑی خواہش نیکیوں کے حصول کے لئے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان فرمایا ہے کہ روزوں کا حکم اِس لئے دیا گیا تا اخلاقی قدر کو پانے کے لئے سعی کی جائے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا

كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (۲ : ۱۸۴) اے ایمان والو تمہارے لئے روزے فرض کئے گئے ہیں جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں کے لئے فرض کئے گئے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ اِس آیتِ کریمہ کو مدِّنظر رکھتے ہوئے ہمیں رمضان کے آنے کا بیتابی سے انتظار کرنا چاہیئے اور پھر پورے ذوق وشوق سے روزے رکھنے چاہئیں ماسوا اِس کے کہ کسی مجبوری کے باعث کوئی روزہ ہم سے چھوٹ جائے۔

اِس دُنیا میں لوگوں کی اکثریت اِقتصادی و مالی خوشحالی کے حاصل کرنے کی تگ ودَو میں لگی ہوئی ہے مگر وہ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ جس طرح چاندی سونے سے کم تر ہے اسی طرح سونا نیکی کے مقابلہ میں کم تر ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ (۱۰۰ : ۹) ترجمہ: اور وہ یقیناً مال کی محبّت میں بہت بڑھا ہوُا ہے۔

دولت حاصل کرنا کوئی بُری چیز نہیں مگر ہمیں یہ جائزہ بھی تو لیتے رہنا چاہیئے اور سمجھ لینا چاہیئے کہ روپیہ کی لالچ میں کہیں ہم نے ان نیکیوں کو تو ضائع نہیں کر دیا جنہیں دولت خرید نہیں سکتی حقیقی خوشحالی کے بارہ میں اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں بیان فرماتا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (۸۷ : ۱۵) ترجمہ: جو پاک بنے گا وہ کامیاب ہوگا۔

ہر شخص کو یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ جیسے صحت اور جسم کا تعلق ہے ویسے ہی نیکی اور رُوح کا بھی آپس میں تعلق ہے۔ لوگ اپنی صحت کا تو بہت خیال رکھتے ہیں اور اپنی غذا کی طرف توجّہ دیتے ہیں۔ جب بیمار ہوتے ہیں تو ڈاکٹر کو فوراً بلاتے ہیں اور بہترین دوا کی جُستجو کرتے ہیں لیکن اپنی رُوح کی نشو ونما کی طرف کوئی توجّہ نہیں دیتے چنانچہ رُوحانی امراض کے علاج کی جُستجو بھی نہیں کی جاتی ہے۔

تر

نیکیوں کے بارہ میں اِسلام ایک مکمّل ضابطۂ حیات پیش کرتا ہے۔ خدا بھی انہی کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں اور یہ ہمارا فرض ہے کہ خدا کا فضل اور مدد مانگتے ہوئے ان نیکیوں کو اپنے اندر پَیدا کریں۔

اِسلامی تعلیم کے مطابق اپنے کردار اور خیالات کو ڈھالنے کا نام ہی اَخلاق ہے مثلاً محبّت اس وقت نیکی بن جاتی ہے جب اس کا اِظہار صحیح طریق پر ٹھیک موقع پر کیا جائے لیکن اس کے برعکس اگر اس کا غلط رنگ میں اِظہار کیا جائے تو اسے نیکی نہیں کہا جائے گا۔ جانور جب اپنے بچّوں کے لئے محبّت اور نگہداشت کا اِظہار کرتے ہیں تو یہ جبلّی اظہار ہوتا ہے اور اسے نیکی کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ محبّت اس وقت نیکی کہلائے گی جب اس کا اِظہار صحیح طریق پر اسلامی قوانین کی حدود کے اندر کیا جائے گا۔ مثلاً ایک عورت جو اپنے بچّے کے ساتھ بے جا لاڈ پیار کرے اور اسے مَن مانی کرنے کی اجازت دے تو یہ نیکی نہیں کہلائے گی اور اسی طرح اگر ایک شخص دوسرے کی بیوی کو اپنے محبّت کے جذبات کے اِظہار کے لئے بھگا لے جائے تو اسے بھی نیکی نہیں کہا جائے گا صحیح وقت اور صحیح موقع پر نیک کردار دکھلانے کا نام نیکی ہے۔

اخلاقی ترقّی کے درجات

بانیٔ جماعتِ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود و مہدی معہود نے نیکی میں ترقی کرنے کے تین مدارج بیان فرمائے ہیں۔ پہلا درجہ تو یہ ہے کہ ہم دوسروں کے ساتھ کم سے کم ویسا ہی سلوک کریں جیسا کہ وہ ہم سے کرتے ہیں۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ اس سلوک سے بہتر کریں۔ تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ ہم دوسروں کی خدمت

اور نیک سلوک یہ سوچے بغیر کریں کہ اس کے معاوضہ میں ہمیں کیا ملے گا ہمیں تو دوسروں پر اشارۃً بھی یہ اظہار نہیں کرنا چاہیئے کہ ہم اس پر کوئی اِحسان کر رہے ہیں۔ خدمت کا یہ رنگ ہماری فطرت بن جانا چاہیئے جیسے ایک ماں اپنے بچّے کی بے لَوث اور بلامعاوضہ خدمت کرتی ہے۔

اَخلاقی قدریں

اخلاق اپنے اندر متعدّد خواص پَیدا کرنے کا نام ہے اِن میں چند ایک مندرجہ ذیل ہیں :۔ عزّتِ نفس، دوسروں کا اِحترام، خلوص، رحمدلی، ذہانت، عفو اور درگذر، سادگی، صفائی، نرم مزاجی، جُرأت، بھلائی، نیکی، صبر، استقامت، رحم، اِنصاف، ضبطِ نفس، قناعت، خوش مزاجی، مہمان نوازی، صَدقہ وخیرات، بے غرضی، محبّت اور اِحسان مندی وغیرہ۔ اِس کے علاوہ اَور بھی بہت سی خوبیاں ہیں جو اِس فہرست میں شامل ہوسکتی ہیں۔

ہمارے آقا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نیکیوں کا مجسّمہ تھے۔

مَیں نے یہ بات قرآن کے حوالے سے پہلے بیان کی ہے کہ اسلامی اخلاق کو اپنے اندر پَیدا کرنا ہماری زندگی کا نصب العَین ہے اِس لئے اسے نظرانداز کرنا ایک بہت بڑی غلطی ہوگی کیونکہ اِس طرح ہم دونوں ہی جہانوں میں خسارہ پانے والے ہوں گے۔ اعلیٰ اَخلاق کو پَیدا کرنا نہ صرف قابلِ ستائش بلکہ سب سے بڑی کامیابی ہے۔ کِسی دوسرے کام میں ہم اتنی خوشی یا تسلّی نہیں پائیں گے جتنی کہ اِس میں، بلکہ دُنیا کی سب سے بڑی دولت جمع کرنے میں بھی اتنی خوشی نہ ہوگی۔

حقیقی مطمحِ نظر

کِسی نصب العین کے حصول کے لئے اوّلین شرط یہ ہے کہ ہمارے دل میں اس کے حاصل کرنے کی ایک تڑپ ہو ورنہ اس کے بغیر ہم کامیاب نہیں ہو سکتے۔ خواہش اور ولولہ سے بھی بہت فرق پڑ جاتا ہے خواہش کی موجودگی میں ہم اپنے مقصد کی طرف ایک سُپر سانک ہوائی جہاز کی طرح اُڑے چلے جاتے ہیں۔ مزید برآں دِل میں اِخلاص کا ہونا بھی بہت اہم ہے۔ قرآن مجید بعض ایسے ہی لوگوں کا درج ذیل آیت میں ذکر کرتا ہے جو یہ خواہش کرتے:

وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ یُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِیْنَ ۔ (۵ : ۸۵)

یہ لوگ دردِ دل سے چاہتے ہیں کہ وہ نیک بن جائیں اور ان کا شمار نیکوں میں ہو اس کا اظہار انہوں نے محض خواہش سے ہی نہیں بلکہ خلوصِ دل سے کیا ہوتا ہے چنانچہ انکی اس خواہش پر کہ وہ نیک بن جائیں خدا تعالیٰ نے ان پر اپنے انعامات کئے۔ اگلی ہی آیتِ کریمہ میں اِس کا اظہار یُوں ہؤا ہے :-

فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِیْنَ ۔ (۵ : ۸۶)

آیئے ہم یہ جہاد شروع کریں کہ ہم اپنے اندر اَخلاقِ فاضلہ پَیدا کریں اور ان میں ترقی بھی کریں تا ہماری کوششیں بار آور ہوں اور خدا تعالیٰ ہم پر فضل فرمائے اور اس کا اجر دے۔

دُعا

اَب اگلا موضوع دُعا کا ہے۔ بانیٔ جماعتِ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے اُس شخص کو متکبّر کہا ہے جو اپنی قوّتوں پر ہی بھروسہ کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کو سب قوّتوں کا مالک نہیں سمجھتا۔ آپ نے فرمایا کہ آپ کا ہتھیار صرف اور صرف دُعا ہے اور ہر کام میں آپ خدا کی مدد اور نصرت کے ہی طالب ہوتے ہیں۔ اخلاقِ فاضلہ کے پیدا کرنے کے بارہ میں یہ بھی لازم ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کی نصرت کے طلبگار ہوں اور دُعا کی طرف راغب ہوں کیونکہ دُعا بذاتہٖ ایک نیکی اور خُلق ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوُا ہے وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (۲۹ : ۴۶) دُعا کا ایک اَور فائدہ قرآن میں یُوں بیان ہوُا ہے اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ آج کے فِسق و فجور کے زمانہ میں جبکہ شیطانی وسوسے ہر جہت سے ہم پر حملہ آور ہو رہے ہیں ہمیں نیکی کی توفیق کی انتہائی ضرورت ہے جس سے ہم ان وسوسوں کا دفاع کر سکیں۔ اِس سِلسلہ میں خدا تعالیٰ نے ہمیں یہ ہدایت فرمائی ہے کہ اس کا جواب دُعا میں مخفی ہے لٰہذا ہمیں دُعا کی طرف بہت توجّہ کرنی چاہیئے نہ صرف ہماری نمازوں میں باقاعدگی پیدا ہو بلکہ ہمیں شیطانی وسوسوں سے بچنے کے لئے دُعا بھی کرتے رہنا چاہیئے ایسے حالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک نہایت ہی پیاری دعا سکھلائی ہے۔

"نیک طبع لوگوں کو جب کبھی شیطان کوئی بَدتحریک کرتا ہے تو وہ یادِ الٰہی میں مصروف ہو جاتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انہیں صراطِ مستقیم حاصل ہو جاتا ہے۔"

خیالات

اَب اس موضوع کو لیجئے جو انسانی خیالات سے متعلق ہے۔ یاد رہے کہ ہر چیز اور ہر کام کی اِبتداء خیال سے ہی ہوتی ہے۔ انجیل میں لکھا ہے "جیسے ایک اِنسان کے اندیشے ہیں وہ ویسا ہی ہوتا ہے۔" (پرووَرب ۷ : ۲۳) سائنسی تحقیق نے اب حتمی طور پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ ایک انسان وہی ہوتا ہے جیسا کہ وہ سوچتا ہے اور پھر وہ ویسا ہی بن جاتا ہے کیونکہ ہر انسان اپنے خیالات ہی کا مجموعہ ہے۔

ہمارا کردار ہمارے خیالات کے مجموعہ سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہم اپنے کردار کی بنیاد اپنے خیالات پر رکھتے ہیں اور پھر ہم ویسے ہی بن جاتے ہیں جیسا کہ ہم سوچتے ہیں۔ ہم میں اپنے خیالات کو کنٹرول کرنے کی قوّت موجود ہے اور اس کے مطابق اپنا کردار بنا سکتے ہیں اور جیسا کہ آپ کو علم ہے کہ ہمارا کردار ہمارے خیالات کا ہی آئینہ دار ہوتا ہے۔

بَدکرداری بَدخیالات پر تعمیر ہؤا کرتی ہے اور نیک کردار نیک خیالات پر بنا کرتے ہیں یہ بات سائنسی قانون کششِ ثقل یا کسی دوسرے اَور قانون کی طرح مسلّم الثّبوت ہے۔ اخلاقِ حَسنہ پَیدا کرنے کے لئے ہم اس اخلاقی قانون (یعنی نیک خیالات) کو یُوں استعمال کر سکتے ہیں کہ اپنے دماغ سے منفی خیالات نکال دیں اور صرف نیک خیالات پر اپنی تمام تر توجّہ مرکوز کر دیں۔

جس طرح ایک باغبان اپنے چمن کو جڑی بُوٹیوں سے پاک صاف رکھتا ہے اور اس میں پھَل اور پھُول ہی اُگاتا ہے اسی طرح ہمیں بھی اپنے دماغ سے منفی خیالات

کو نکال پھینکنا چاہیئے اور اس چمن میں صرف نیک اور پاکیزہ خیالات کی پرورش کرنی چاہیئے جو پھلیں، پھولیں اور رنگ لائیں اور پھر اپنی خوشبو سے ہمارے کردار کو معطّر کر دیں ہمیں تو اپنے دماغ میں غلیظ خیالات کو داخل ہی نہیں ہونے دینا چاہیئے اور جو اتفاقاً داخل ہو جائیں ان کو فوراً نکال پھینکنا چاہیئے۔ اِسلام ہمیں سکھاتا ہے کہ ہمیں ان چیزوں سے اِجتناب کرنا چاہیئے جن سے شیطنت جنم لیتی ہے اس لئے ہمیں ناچ گانا، جوُا بازی کے اڈّوں، کنجر خانوں اور ایسی ہی اسفل چیزوں سے دُور رہنا چاہیئے دوسرا جس سے اِجتناب ضروری ہے وہ فحش ناول ہیں جو آجکل کتب خانوں میں ڈھیروں ڈھیر پڑے نظر آتے ہیں۔ ایسے رسالے جن پر عورتوں کی نازیبا تصاویر ہوں اور ایسی فلمیں جن کو واقعی شیطانی فلمیں قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ سب شیطانِ مردُود کے کارنامے ہیں جو ہمارے دماغ کو گندے خیالات سے بھر دیتے ہیں۔ اِسی طرح اپنے بھائیوں کے بارہ میں بُرے خیالات کی پرورش جیسے حسد، نفرت، دھوکا بازی، اِنتقام وغیرہ سے بھی دماغ کو پاک رکھنا چاہیئے کیونکہ یہ بھی غیر اخلاقی خیالات ہیں۔

قرآن مجید ہمیں شیطان سے دُور رہنے کی ہی ہدایت نہیں کرتا بلکہ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ نیک صحبت سے اخلاق بڑھتے اور ایمان ترقی کرتا ہے۔ ہمیں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ ہم نہ صرف خدا کے حضور اپنے اعمال کے جواب دِہ ہیں بلکہ اپنے خیالات کے بھی۔ قرآن مجید کی درج ذیل آیت یہ بات صاف ثابت کرتی ہے۔ فرمایا: لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ (۲۸۵ : ۲) ترجمہ: اللہ کے لئے ہی ہے جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اگر تم اسے ظاہر کرو گے تب بھی اور چھپاؤ گے

تب بھی اللہ تعالیٰ تم سے اس کا جواب طلب کرے گا —— ایک اِنسان ہونے کے ناطے یہ ناممکن ہے کہ ہم اپنے دماغ سے تمام شیطانی خیالات مکمل طور پر نکال دیں۔ اِس صورت میں ہمیں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ان کو دبانے کی کوشِش کریں اور یہ کام کرنا بذاتہٖ نیکی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا خوب فرمایا ہے :-

"اگر انسان کو بَدخیالات پریشان کریں اور وہ ان پر قابو پانے کی کوشِش کرتا ہے یا انہیں اپنے ذہن سے نکالنے کی کوشِش کرتا ہے اور ان پر عمل کرنے سے دُور رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کا نیک اجر عطا فرمائے گا۔"

اِستقلال

اِس میں کوئی شک نہیں کہ نیکی کی راہوں پر چلنا سہل نہیں کیونکہ یہ پہاڑ سے پھسلنے والے راستہ پر چڑھنے کی مانند ہے جس پر پھسلنا لازمی ہے لیکن یہ وہ خوشگوار سفر ہے جو جنّت کے حسین مناظر میں سے ہو کر گزرتا ہے۔ کوشِش کے بغیر کوئی بھی چیز ممکن نہیں اور یہ بات نہ صرف اَخلاقی ترقّی کے بارہ میں صحیح ہے بلکہ دیگر دنیوی معاملات میں بھی تکلیفوں کے بغیر تو کوئی بھی ترقّی ممکن نہیں۔ اگرچہ دُعا لازمی امر ہے لیکن اسکے باوجود اپنے بہتر کردار کا اِظہار ضروری ہے اور خدا کے راستہ میں جہاد کرنا بھی اہم ہے بعض لوگ کوشِش تو کرتے نہیں صرف دُعا پر ہی زور دیتے ہیں اور پھر بعد میں حیران ہوتے ہیں کہ ان کی دُعا کیوں قبول نہیں ہوئی۔

ہمارا مطمحِ نظر یہ ہو کہ ہمیں اپنے اَخلاق کو مسلسل سنوارتے رہنا چاہیئے اور جم کر

بیٹھ نہیں جانا چاہیئے۔ کہا تو یہ بھی جاتا ہے کہ اگر کوئی ترقی نہیں کر رہا تو پھر وہ تنزّل پذیر ہے۔ یہ نیک مقصد جو ہمارے سامنے ہے ہم سے اِس بات کا متقاضی ہے کہ ہم صبر واستقلال سے کوشش کرتے رہیں اور جب خدائے تعالیٰ کے حضور حاضری کا وقت آئے تو ہر شخص یہ کہے کہ مرنے والا نہایت اعلیٰ اخلاق کا مالک تھا۔ قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (۲:۱۵۴)

یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

جیسا کہ مَیں نے بیان کیا اَخلاقِ حَسنہ بغیر کوشش کے پَیدا نہیں ہوسکتے ہمیں مسلسل غور کرنا ہوگا اور اپنا تجزیہ، محاسبہ اور ضبطِ نفس کرتے رہنا ہوگا لیکن چونکہ ہم انسان ہیں فرشتے نہیں نیز ہم انتہائی کمزور ہیں اِس لئے ممکن ہے کہ کبھی کبھار دیدہ ونادانستہ غلطی بھی کر جائیں اِس لئے ہمیں بہت سے وساوس سے جدّوجُہد بھی کرنا ہوگی لیکن ہاں اگر ہمارا ارادہ مضبوط ہو اور ہماری رُوح توانا ہے تو پھر ہمیں کامیابی سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ حصولِ اَخلاق میں ہماری کوششیں ہمیں بلندی کی طرف ہی لے جائیں گی خواہ ہم اپنے ارادوں کی اِنتہاء سے کہیں کم ہوں لیکن اِس دَوران ہم نیکی کے اس راستہ پر سفر کر چکے ہوں گے جو ہمیں سیدھا جنّت کی طرف لے جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ اگرچہ ہم میں کمزوریاں ہوں اور گر بھی پڑیں لیکن ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیئے

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّہٗ ھُوَالْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ (۳۹:۵۴)

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب اپنی کتاب "احمدیت یا حقیقی اِسلام" میں فرماتے ہیں :-

"اِسلام انسان کو مایوسی سے نجات دلاتا ہے اور اسے بتلاتا ہے کہ وہ اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کے باوجود اخلاقِ فاضلہ اپنے اندر پیدا کرسکتا ہے جو کہ اِنسان کا اعلیٰ مقام ہے۔"

اِنگلستان کے ایک سابق مشہور وزیرِ اعظم ولیم گلیڈ اسٹون نے کیا ہی عجیب بات کہی ہے : کوئی اِنسان آج تک عظیم یا نیک نہیں بن سکا جب تک کہ اُس نے متعدد اور فاش غلطیاں نہ کیں" —— اگرچہ انبیاء پر یہ مقولہ چسپاں نہیں ہوتا کیونکہ وہ اپنی ساری ہی زندگی میں حد سے زیادہ نیک ہوتے ہیں لیکن جو حقیقت اُوپر بیان ہوئی ہے وہ دوسرے کئی ایک اکابرین کی زندگیوں میں نظر آتی ہے اِس لئے نیکی کے راستہ سے اگر ہم پھسل بھی جائیں تو ہمیں فکرمند نہیں ہونا چاہیئے اور پختہ ارادہ اور اِس نیّت کے ساتھ آگے بڑھیں کہ آئندہ ایسی غلطیوں سے بچنے کی کوشش کریں گے۔

دو ہزار سال قبل کا رومن مصنّف "سینیکا" (SENECA) نیک آدمی کی تعریف یُوں بیان کرتا ہے "عظیم وہ ہے جو اپنے لئے صَداقت کو ناقابلِ تسخیر ارادہ سے اِنتخاب کرتا ہے بڑی سے بڑی اندرُونی اور بَیرونی خواہشات کو برداشت کرتا ہے اور اپنے فرائض کو بخوشی ادا کرتا ہے۔ طوفانوں میں پُرسکون اور خطرات کے سامنے نڈر رہتا ہے اور کبھی بھی سچائی اور نیکی کو ترک نہیں کرتا اور خدا کی ذات پر ہمیشہ توکّل رکھتا ہے۔"

سادگی

سادگی نیک زندگی کا ایک خاص جوہر ہے۔ ہمارے رسولِ مقبول محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تعیّش کی زندگی گزارنے سے منع فرمایا ہے آپؐ نے فرمایا "تعیّش کی زندگی سے خبردار رہو کیونکہ خدا کے بندے ایسی زندگی نہیں گزارا کرتے۔"

خدا کے راستہ میں سادہ زندگی گزارنے سے رُوح میں چمک آتی ہے انسان ایک حد تک دُنیوی زندگی کی آلائشوں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور کبھی اِس چیز کی اور کبھی اُس چیز کی خواہش نہیں کرتا جبکہ وہ جو تعیّش کی زندگی گزارتے ہیں ان کو اطمینانِ قلب کبھی حاصل نہیں ہوتا جب تک انہیں بہترین چیز میسّر نہیں آجاتی حقیقت تو یہ ہے کہ وہی دُنیا میں سب سے زیادہ مال دار ہے جسے کسی چیز کی ضرورت نہیں اور قرآن حکیم ہمیں یہ بتلاتا ہے کہ تقوٰی اِس دُنیا کی بہترین چیزوں سے بھی زیادہ بہتر ہے۔ نیک اِنسان تھوڑے سے بھی مطمئن ہو جاتا ہے اور تعیّش کی زندگی سے دلچسپی نہیں رکھتا۔ دولت بِلاشُبہ خدا کا اِنعام ہے اور انسان کو سادہ زندگی گزارنے میں روک نہیں بنتی لیکن سادہ زندگی میں حائل ضرور ہوتی ہے۔

خدا کے انبیاء کا طریق سادہ زندگی ہی رہی ہے۔ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اگر چاہتے تو آسائش کی زندگی گزار سکتے تھے لیکن آپؐ نے ہمیشہ انتہائی سادہ زندگی کو ترجیح دی۔ آپؐ کی عادات سادہ، آپؐ کی غذا سادہ، کپڑے نہایت سادہ اور آپؐ کا گھر اور اس کا سامان بالکل سادہ تھا۔ آپؐ کھُردرے بستر پر سویا کرتے اور کھجور کی صَف پر آرام فرمایا کرتے تھے جس کے نشان آپؐ کی

کمرِ مُبارک پر پڑ جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے آپؑ سے سوال کیا کہ آپؑ کھردری صَف پر کیوں سوتے ہیں جبکہ بادشاہ اعلیٰ سے اعلیٰ اور نرم بستروں پر سوتے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا کہ "میرے لئے یہ کوئی پریشانی کی بات نہیں اُنھوں نے اِس دُنیا کو چُنا مَیں نے آنے والی زندگی کو چُنا ہے"۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے سَن ۱۹۳۴ میں ایک سکیم شروع فرمائی جس کا نام تحریکِ جدید رکھا۔ آپ نے جماعت کو تحریک فرمائی کہ دُنیا میں مشن کھولنے اور چلانے کے لئے احباب چندہ دیں اور یہ چندہ اُس چندہ عام کے علاوہ تھا جو آمد کا ۱/۱۶ ہوتا ہے۔ آپ نے احمدیوں کو سادہ زندگی گزارنے کی تلقین فرمائی جسکی بعض ہدایات یہاں بیان کی جاتی ہیں (۱) آپ کے دستر خوان پر صرف ایک کھانا ہو (۲) سینما مت دیکھو (۳) گھروں میں آرائشوں کو کم کرو (۴) کپڑوں پر خرچ کم کرو (۵) زیورات پر کم خرچ کرو (۶) جس چیز کی ضرورت نہیں وہ مت خریدو۔

بانئ جماعت احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی سادہ زندگی پر زور دیا ہے آپ نے فرمایا کہ (۱) فضول خرچ مت بنو (۲) وہ جو اس دُنیا کے عیش و آرام سے محبّت کرتا ہے اسے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ دُنیا ہمیشہ رہنے والی نہیں (۳) تعیّش کی زندگی اور آرام کی چیزیں کوئی مستقل اور رہنے والی چیزیں نہیں اور ان کی کوئی گارنٹی نہیں (۴) خدا کے واسطے آرام و آسائش کی زندگی چھوڑ دو۔ سادہ زندگی کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ یہ انسان کو غریبوں اور عام لوگوں سے قریب کرتی ہے وہ جو تعیّش کی زندگی پسند کرتے ہیں عموماً غریبوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں بعض ایک تو

غریبوں سے ملنا بھی پسند نہیں کرتے کُجا یہ کہ وہ ان سے مل کر بیٹھیں۔

اخلاقِ حَسنہ کا پَیدا کرنا ایک عملی فلاسفی ہے کوئی خشک وعظ نہیں اس پر عمل ضروری ہے۔ یہ ایسا موضوع ہے جس پر کتابیں لکھی جا سکتی ہیں مَیں نے چند پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اور مقصد صرف اس موضوع سے دلچسپی پیدا کرنا اور اخلاقِ حَسنہ کے پَیدا کرنے کی طرف توجّہ دلانا ہے۔ مَیں دُعا کرتا ہوں کہ مَیں نے جو بیج پھینکے ہیں وہ زرخیز زمین پر گریں پھلیں پھُولیں اور بار آور ہوں۔ آمین

ہر احمدی خوش نصیب ہے کہ اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو پہچانا اور آپ پر ایمان لایا یہ ایک بیش بہا اِنعام ہے اور جو اِس بات کو بخوبی نہیں سمجھتا اور اس کا پورا پورا فائدہ نہیں اُٹھاتا وہ حقیقی مسرّت سے محروم ہے اِس لئے کہ احمدیت انسان کو زمین پر بہشتی کیفیّات سے ہمکنار کرتی ہے۔

اِس مضمون کا مدّعا یہ ہے کہ یہ بتایا جائے کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو انسانی جسم اور رُوح کو حقیقی اور دائمی مسرّت مہیّا کرتا ہے۔ خواہ ایک شخص کتنے ہی مصائب، تکالیف اور مایوسیوں میں مبتلا ہو بالفاظِ دیگر یہ کہ اسلام انسان کو اِس دُنیا میں جنّت کی لذّتوں سے لطف اندوز کراتا ہے۔

ہر شخص مسرّت چاہتا ہے مگر ہر ایک کی خوشی کا تصوّر ایک سا نہیں بعض اَوقات ایک شخص سوچتا ہے کہ فلاں خواہش کے پورا ہونے سے خوشی حاصل ہو سکتی ہے مثلاً یہ کہ اس کی شادی ہو جائے، فلاں ملازمت مِل جائے، دولت کا حصول، اَولاد کی خواہش وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اسلامی تعلیم یہ ہے کہ حقیقی خوشی کا منبع اور دائمی خوشی صرف عشقِ الٰہی میں ہے مثلاً قرآن مجید میں اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے وَلِمَنْ خَافَ

مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتٰنِ (۴۷ : ۵۵) بانیٔ جماعتِ احمدیہ نے اِس مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اِس میں دُو جنّتوں کی طرف اشارہ ہے ایک اِسی دُنیا میں ملنے والی جنّت اور دوسری آنے والی دُنیا میں۔ خدا مومنوں کے دل اِس دُنیا میں صاف کرتا ان کو تسلّی اور تقویّت دیتا ہے اور یہ حالت اِس دُنیا میں جنّت کے برابر ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (۳۲ : ۴۱) ہم تمہارے اِس زندگی میں بھی اور آنے والی زندگی میں بھی دوست ہیں۔ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (۶۵ : ۱۰) ان کے لئے اِس دُنیا میں بھی اور بعد میں آنے والی دُنیا میں بھی بشارت ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنّت کی نعمتیں ایسی ہیں کہ انسانی آنکھ اور دماغ اِس کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔ آپؐ نے فرمایا "جنّت کی نعمتیں ایسی اشیاء ہیں جن کو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا کان نے نہیں سُنا اور دماغ نے کبھی نہیں سوچا" یہ بات قرآنِ مجید سے بھی ثابت ہے:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (۱۸ : ۳۲)

اِس کی وجہ یہ ہے کہ اِنسان کو ایسی حِس ہی نہیں دی گئی جس سے وہ آنے والی زندگی کو پہچان سکے یا اس کا حقیقی اندازہ لگا سکے۔

بانیٔ اِسلام حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دُعا جنّت کی کُنجی ہے اور قرآنِ مجید میں ارشاد ہوُا ہے کہ جو دُعا کرتا ہے خدا اس کی دُعا کو سُنتا ہے یہ دُعا زبردست معنی کی حامل ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ

عَلَیْھِمْ ۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جبکہ انسان دُنیا کے مصائب اور آلام سے دوچار ہے تو پھر وہ اِس دُنیا میں جنّت کیسے ڈھونڈے ۔ تو یاد رہے کہ تکالیف دراصل چُھپی ہوئی نعمتیں ہیں ۔ مصائب سے ہی تو انسان کے ایمان کا اندازہ ہوتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں بیان ہوُا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ (۲ : ۱۵۶) خدا تعالیٰ نے اِس دُنیا کے سفر کو ہمارے لئے آسان نہیں بنایا چنانچہ ارشادِ ربّانی ہے کہ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ (۹۰ : ۵) ۔ مدّعا اِس کلام کا یہ ہے کہ ہمیں مصائب سے گھبرانا نہیں چاہیئے ۔

ایک امریکن مصنّف نے کہا ہے کہ ہر تکلیف اور مصیبت میں کوئی نہ کوئی فائدہ یا اس سے زیادہ فائدہ پنہاں ہوتا ہے جس کا مطلب میرے خیال میں یہ ہے کہ انسان چاہے تو ہر مصیبت یا پریشانی سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے ۔ چارلس ڈارون جس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ انسان کا اِرتقاء بندروں سے ہوُا ہے وہ بیچارہ ہمیشہ کسی نہ کسی عارضے میں مُبتلا رہتا تھا مگر آپ حیران ہوں گے کہ اس نے اپنی اس بیماری کا پورا پورا فائدہ اُٹھایا اس نے کہا ہے کہ " اگر مَیں اِتنا زیادہ بیمار اپنی زندگی میں نہ رہتا تو شاید مَیں اتنا کام نہ کرسکتا جتنا کہ مَیں نے کیا ہے ۔" دراصل بات تکلیف کی نوعیّت کی نہیں بلکہ یہ انسان کا ذہنی رُجحان ہے جو پریشانی کو ایک بڑی مصیبت میں تبدیل کر دیتا ہے مثلاً دو آدمیوں کو لے لو دونوں پر ایک قِسم کی مصیبت پڑے ان میں سے ایک تو گھبرا جائے گا مگر دوسرا خاموش اور پُرسکون رہے گا مصیبت تو ایک ہی تھی مگر اس کا رَدِّعمل دو انسانوں میں مختلف ہے ۔ لاریب کوئی بھی اِنسان مصائب اور امتحانوں سے بالا نہیں ہر ایک کو ان کی توقع رکھنی چاہیئے اور جب کوئی مصیبت

آئے تو شکوہ یا شکایت کی بجائے اس کا پورا پورا فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔

3 عموماً اِنسان کی آواز کے لہجہ سے اس کے مُوڈ کا پتہ چل جاتا ہے چاہیئے کہ ہم اپنی گفتگو میں بُرے الفاظ کے استعمال سے کُلّی پرہیز کریں اور اچھے الفاظ استعمال کریں یقیناً گفتگو کا طریق اِنسان کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

انسانی حِس صرف اِس دُنیا کی اِرتعاش کا ادراک رکھتی ہے لیکن اسے یہ استطاعت بھی عنایت کی گئی ہے کہ وہ آنے والی زندگی کی جھلک کا بھی اندازہ کرے اور یہی اس کے لئے بہت عجیب و غریب ہوتا ہے۔ اِنسان سُورج کی شدتِ حرارت برداشت کرنے کی تاب نہیں رکھتا لیکن اس کے باوجود وہ اس کی گرم شعاعوں سے لطف اندوز ہوتا ہے جن کا سُورج کی حقیقی گرمی سے ذرا بھی مقابلہ نہیں بعینہٖ وہ بہشت جو انسان اس ورلی زندگی میں مشاہدہ کرتا ہے اس کا آنے والی زندگی کی جنّت سے مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔

شاید کوئی معترض یہ اِعتراض کرے کہ جیسا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے اور حضرت نبی کریم صلعم نے بھی فرمایا ہے کہ انسان اگلی دُنیا کی جنّت کی نعماء کا اندازہ ہی نہیں کرسکتا اِس لئے یہ قول اس ارشاد کے متضاد ہے کہ انسان اِس اَرضی زندگی میں بھی جنّت کے اثمار کا مشاہدہ کرسکتا ہے لیکن اِس کا جواب یہ ہے کہ آنے والی زندگی کے انعامات اس ورلی زندگی کی نعمتوں سے بدرجہا اعلیٰ اور اَرفع ہوں گے۔ قرآن کریم نے بھی اِس امر کو اِن الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ آخرت میں ملنے والے اِنعامات اس اَرضی زندگی کے انعامات سے بدرجہا بہتر اور عمدہ ہوں گے اور وضاحت فرمائی کہ اگرچہ وہ بعینہٖ ایسے تو نہ ہوں گے لیکن ان دونوں میں مشابہت ضرور ہے۔ قرآن کریم

فرماتا ہے وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

(۲ : ۲۶) ـــــ اور تُو ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں ان کو خوشخبری دے کہ ان کے لئے (ایسے) باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جب بھی ان (باغوں) کے پھل میں سے کچھ رزق انہیں دیا جائے گا وہ کہیں گے یہ تو وہی (رزق) ہے جو ہمیں اس سے پہلے دیا گیا تھا اور ان کے پاس وہ (رزق) مِلتا جُلتا لایا جائے گا اور ان کے لئے ان (باغوں) میں پاک جوڑے ہوں گے اور وہ ان (باغوں) کے اندر (ہمیشہ) بسیں گے۔

مذکورہ آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اگلی دُنیا کے رُوحانی اثمار اگرچہ وہی نہیں مگر اسی دُنیا کے رُوحانی پھلوں کے مشابہہ ضرور ہیں۔ یہ امر ذہن نشین رہنا چاہیئے کہ جنّت کے بارہ میں قرآن کریم کی تفصیلات اِستعارۃً ہیں اور ان کا لفظی مطلب لینا درست نہیں باغات، دریا، اثمار، شہد، دُودھ اور اِسی قسم کی دوسری اشیاء جن کا ذکر جنّت کے سِلسلہ میں آتا ہے ان سے ہم سب واقف ہیں اور ان کے مطالب استعارۃً ہی لئے جانے چاہئیں۔ دُودھ کا مطلب رُوحانی علوم لیا جاتا ہے نہروں سے مُراد اعمالِ صالحہ ہیں اثمار کا مطلب انعامات سے ہے وغیرہ وغیرہ۔ اگلا جہان چھوٹے سے چھوٹے ایٹم کا بنا ہؤا نہیں اِس لئے وہاں کی اشیاء مادی نہیں اور نہ ہی اِس جہان کی نعمتوں کی طرح ہیں۔

اِس سے بہتر کیا آرزو ہوسکتی ہے کہ انسان اپنے اندر بہشتی اخلاق پیدا کرے

اور یہ اس کے لئے اس دُنیا میں جنّت دیکھنے کے مترادف ہوگا۔ اِسلام محض خشک قواعد وضوابط کا نام نہیں بلکہ یہ تو زندگی بخش پیغام کا نام ہے جو ایسی ہدایت مہیّا کرتا ہے۔ جو انسان کو آسمانی مسرّتوں اور قناعت سے ہمکنار کرتا ہے جسے اَرضی بہشت کا نام دیا جاسکتا ہے۔ بلاشبہ یہ مقام ایک ہی جست میں تو حاصل نہیں کیا جاسکتا یہاں تک پہنچنے کیلئے اور اپنے اندر ایک اِنقلاب پَیدا کرنے کے لئے اِستقلال کی ضرورت ہے اور نیکی کی راہوں پر چلنے کے لئے خواہش ہونی چاہیئے یہی اِسلام کا مقصد اور منتہا ہے۔ قرآنِ کریم مسلمانوں کو اسی لئے نیکی میں سبقت لے جانے کی بار بار تاکید کرتا ہے کیونکہ اس ارضی بہشت اور اخروی جنّت کے حصول کی راہیں بہت کشادہ ہیں۔

بعض امور دَولت کے حصول اور سفلی زندگی کی آسائشوں سے بھی زیادہ بیش قیمت ہیں اِسلام ان آسائشوں کی مذمّت تو نہیں کرتا لیکن اِس امر کی کھُلی کھُلی نشان دہی ضرور کرتا ہے کہ رُوحانی انعامات دُنیوی آسائشوں سے بدرجہا زیادہ اہم ہیں تعلق باللہ اور تقویٰ کی زندگی مادی عیش وطرب سے بدرجہا زیادہ راحت افزا ہُوا کرتی ہے۔ روحانی دولت اِنسان کو زندگی کے طوفانوں میں صبر واستقلال کی ہمّت عطا کرتی اور ہر حال میں قلبی سکون عطا کرتی ہے۔ یہ قلبی کیفیّت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب انسان اپنے خیالات کو احکامِ الٰہی اور اخلاقِ حسنہ کے ساتھ ہم آہنگ کرلیتا ہے اللہ تعالیٰ متقیوں کی تعریف میں ارشاد فرماتا ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (۴۹:۱۴) اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ معزّز وہی ہے جو سب سے زیادہ متّقی ہے۔ پھر فرمایا کہ فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی (۲:۱۹۸) اور (یاد رکھو) بہتر زادِ راہ تقویٰ ہے۔ حقیقی خوشی کا راز مذہب میں پنہاں ہے اور یہ نیک زندگی گذارنے سے ہی حاصل

ہوتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۵ : ۱۰۱) پس اے عقلمندو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم بامراد ہو جاؤ ــــ پھر فرمایا اے ایماندارو صبر سے کام لو اور دشمن سے بڑھ کر صبر دکھاؤ اور سرحدوں کی نگرانی رکھو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ (۳ : ۲۰۱)

اِس جہان کی زندگی آنے والی زندگی کی محض تیاری ہے۔ نیک اعمال اور افعال سے اِنسان قبر میں داخل ہونے سے پہلے ہی اِسی دُنیا میں جنّت کا مزہ چکھ سکتا ہے جنّت کی نعماء کا اِس دُنیا کی لذّتوں سے کوئی مقابلہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اس دُنیا کی لذّتوں کے بارہ میں ارشاد فرماتا ہے: وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۶ : ۳۳) اور ورلی زندگی کھیل اور مشغلہ کے سوا (کچھ) نہیں اور جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں ان کے لئے پیچھے آنے والا گھر یقیناً بہتر ہے پھر کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہؤا ہے يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۡ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ (۴۰ : ۴۰) اے میری قوم یہ ورلی زندگی صرف ایک چند روز کا فائدہ ہے اور اخروی زندگی ہی یقیناً پائیدار ٹھکانہ ہے۔ ہر نفع بخش چیز کے حصول کے لئے کوشش لازمی امر ہے۔ روحانی خصوصیّات کے حصول کے لئے بھی یہی اصول صادق آتا ہے اور اسلام میں یہی مقصدِ حیات ہے۔ جسمانی صحت خدا کی بڑی نعمت ہے لیکن رُوحانی صحت تو بہت ہی بڑا اِنعام ہے۔ معمولی سی تکلیف سے بھی اِنسان تڑپ اُٹھتا ہے اور خواہ معمولی سر درد یا زکام ہو تو فوراً دوا دارُو کے لئے تگ و دَو کی جاتی ہے لیکن کیا ہی بد قسمتی ہے کہ رُوحانی دُکھوں کے علاج کی طرف توجّہ ہی نہیں دی جاتی ہر شخص کا وجود اس کا

اپنا اِشتہار ہے اور اگر وہ اپنی بہترین نمائش چاہتا ہے تو اسے اپنے اندر رُوحانی کمالات پَیدا کرنے چاہئیں اور یہ عبادت سے، نیک خیالات سے اور اعمالِ صالحہ سے ہی حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے اِنسان اپنے ہی خیالات کا مرقّع ہوتا ہے۔ نیکیوں اور بھلے کاموں پر سوچ و بچار آخر اعمالِ صالحہ کی جانب لے ہی جاتا ہے اور یہی وہ سُنہرا طریق ہے جو رُوحانی سُرور مہیّا کرتا ہے اور رُوح کو جلا بخشتا اور بہشتی حرارت مہیّا کرتا ہے اور ایسا اِنسان جہاں بھی ہوگا اس کی جنّت اس کے ساتھ ہو گی۔

رُوحانی بلندی صرف گناہوں کے ترک کرنے سے نہیں ملتی بلکہ اعمالِ صالحہ سے، اِس لئے یہ لازمہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ نیکو کاری رُوحانی ترقّی کا اہم جُزو ہے۔ اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (۲۲ : ۷۸) اے مومنو رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رَبّ کی عبادت کرو اور نیک کام کرو تاکہ تم اپنے مقصود کو پا لو۔

ایک باغبان اپنے چمن میں نہ صرف نلائی اور گوڈی کرتا ہے اور جڑی بُوٹیاں نکالتا رہتا ہے بلکہ وہ رنگا رنگ کے نئے نئے پھُول پَودے بھی لگاتا جاتا ہے تا اسکے باغ کی زینت میں اضافہ ہوتا رہے اِسی طرح اگر اپنے مَن میں بہشتی باغ لگانا مقصود ہو تو صرف گھاس پھُونس اور جڑی بُوٹیاں اکھیڑنی ضروری نہیں بلکہ اس میں نیک خیالات کے نئے بیج بھی بونا ہوں گے جو اپنے وقت پر جنتی خصوصیّات کے رنگ میں بار آور ہو جائیں گے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دُعا جنّت کی کُنجی ہے اور

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ وہ پکارنے والے کی پکار سُنتا ہے اور بندہ کو ہمیشہ یہ دُعا کرتے رہنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ایسے اعمال بجالانے کی توفیق بخشے جن سے وہ مالکِ یوم الدّین راضی ہو اور یہ کہ اِسی دُنیا میں بہشت کا نور عطا ہو اور جنّت کا سکون ملے اِس سلسلہ میں سُورۃ فاتحہ کی اِس آیت میں کِس قدر گہرے معانی پنہاں ہیں :

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اَے ہمارے پروردگار ہمیں سیدھا راستہ دکھا اُن لوگوں کا راستہ جن پر تُو نے اِنعام کیا۔ صراطِ مستقیم ہی جنّت کا راستہ ہے اور سالک کے لئے لازم ہے کہ وہ اس شاہراہ پر چلتا ہی چلا جائے اور یُوں جنّت کے باغوں میں دُور دُور تک پہنچ جائے یہی حقیقی خوشی ہے اور درجِ ذیل دُعا میں بندہ اپنے مَولیٰ سے یہی چیزیں مانگتا ہے :۔

اے اللہ میرے دِل کو اور میرے کانوں کو نور سے بھر دے۔

میری آنکھوں اور میری زبان پر نور جاری کر دے۔

نور میرے دائیں ہو اور نور میرے بائیں ہو۔

اور نور میرے اُوپر ہو نور میرے نیچے ہو۔

اور یُوں کہ مَیں نور ہی میں ڈوب جاؤں۔

شاید کوئی مُعترض یہ اِعتراض کرے کہ جب اِنسان اِس دُنیا میں نِت نئے دُکھوں اور تکلیفوں میں مُبتلا رہتا ہے تو اسے جنّت اور اس کا سکون کیسے ملے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ تکالیف کے درپردہ برکتیں ہُوا کرتی ہیں اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ یہ مومن کے ایمان کی آزمائش اور اس کی ترقّی کے لئے آیا کرتی ہیں اور اسی سے اِنسان کے عزم اور ہمّت کا پتہ چلتا ہے اگر انسان صبر و استقامت

سے ان آزمائشوں سے گذر جائے تو دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کے انعامات کا وارث بنتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ؕ (۲ : ۱۵۶، ۱۵۷) اور ہم تمہیں کسی قدر خوف اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی کے ذریعہ سے ضرور آزمائیں گے اور اے رسول تُو ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے جن پر جب بھی کوئی مصیبت آئے (تو گھبراتے نہیں بلکہ یہ) کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لَوٹنے والے ہیں —— پھر ایک اَور جگہ ارشادِ ربّانی ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ○ (۴۷ : ۳۲) اور ہم تمہاری ضرور آزمائش کریں گے اس وقت تک کہ ہم تم سے خدا کی راہ میں جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو جان لیں اور ہم تمہارے اندرونی حالات کی ضرور آزمائش کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ بات خوب کھول کر بیان کر دی ہے کہ اِس زندگی کا سفر سہولتوں کا سفر نہیں۔ فرمایا: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ○ (۹۰ : ۵) ہم نے یقیناً اِنسان کو رہینِ محنت بنایا ہے۔ اِنسان کو آزمائشوں اور ابتلاؤں کے وقت مایوس اور خدا کا شاکی نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ یہ کمزوری اور خدا کی ناشکری کی علامت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " ایک مومن کے لئے یہ دُنیا خیر و برکت سے بھری ہوئی ہے اور ایک مومن اس کا شعور رکھتا ہے کیونکہ اگر وہ کامیابیوں سے ہمکنار ہو تو وہ مولیٰ کا شکرگزار ہوتا ہے اور یُوں مزید انعامات کا وارث ہوتا ہے لیکن دوسری طرف اگر اسے آزمائش اور تکلیف کا سامنا ہو تو وہ اسے صبر سے برداشت کرتا ہے اور یوں بھی

خدا کی رضا کا وارث بنتا ہے۔"

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی نے کیا خوب فرمایا ہے "تکلیفیں ہمیشہ تکلیفیں نہیں رہا کرتیں"۔ ایک مشہور امریکی مصنّف نے لکھا ہے کہ ہر مشکل میں ایک سہولت کا بیج مخفی ہوتا ہے اس کا یہی مفہوم ہے کہ انسان اپنی ہر مشکل سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے اور قرآن نے بھی اِسی حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ یہ امریکی مصنّف مسلمان نہیں لیکن اِس کے مندرجہ ذیل الفاظ اِس حقیقت کا اظہار کرتے ہیں "مَیں ان مشکلات کا بھی شکر گزار ہوں جو میرے راستہ میں آئیں کیونکہ ان سے مَیں نے ہمدردی، ضبطِ نفس، استقلال اور بعض دوسری نیکیوں کا سبق سیکھا ہے جو ان کے بغیر مَیں کبھی نہیں سیکھ سکتا تھا۔"

ڈارون گذشتہ صدی کا نامور سائنسدان تھا جس نے ORIGINS OF SPECIES جیسی معروف کتاب لکھی اس میں اس نے اِنسانی اِرتقاء کے بارہ میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اِنسان نے بندر سے ترقّی کی ہے۔ وہ نہایت کمزور صحت کا مالک تھا اور اس نے اپنی اِس معذوری سے بھرپور فائدہ اُٹھایا وہ لکھتا ہے "اگر مَیں اِس قدر زیادہ معذور نہ ہوتا تو اِس قدر بڑا کام انجام نہ دے سکتا جتنا کہ اَب کر سکا ہوں۔"

قرآنِ مجید کی تعلیم یہی ہے کہ مشکلات کے وقت جبکہ حالات سازگار نہ ہوں تو صبر سے کام لو اور مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور زندگی کے طوفانوں میں بہشتی لُطف اُٹھانے کا یہی وقت ہوتا ہے مصائب و آلام زندگی کے لوازم ہیں مگر ان سے نبرد آزما ہونے کا سلیقہ آنا چاہیئے۔ زندگی کی کشمکش میں کامیاب و کامران ہو جانا ہی تو کامیابی ہے۔ اِنسان مشکلات میں ہمّت نہ ہار بیٹھے اور جرأت و خندہ پیشانی کے ساتھ ان مشکلات

کا مقابلہ کرے جیسے کہ وہ خوشگوار حالات کا سامنا کرتا ہے۔

مصائب، مشکلات، ناکامیوں اور نامرادیوں کے وقت اِنسان بعض اوقات غیر ضروری طور پر پریشان ہو جاتا ہے اور ان پریشانیوں کی وجہ سے وہ سکون اور چین کی جنّت سے محروم رہتا ہے۔ یہ پریشانیاں ہراس کا موجب نہیں ہوتیں بلکہ انسان کا طرزِ عمل اس ہراس کا باعث بن جاتا ہے۔ دو اشخاص کی مثال لیں جو ایک جیسے حالات سے دوچار ہیں ایک گھبرا جاتا ہے اور مایوسی کا اظہار کرتا ہے لیکن دوسرا پُرسکون رہتا ہے۔ حالات ایک سے ہیں لیکن ایک تو گھبرا گیا دوسرے نے پریشانی کو قریب نہ آنے دیا۔ فرق تو ظاہر ہے اِسلام یہی سکھاتا ہے کہ ہر مشکل اور مصیبت کے وقت صبر و تحمّل کا مظاہرہ کرو اگر اس میں کوئی کامیاب ہو جائے تو اس کی دماغی حالت پُرسکون رہے گی اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کا دِل بھی مضبوط رہے گا اور باوجود ناسازگار حالات کے وہ پُرسکون رہے گا۔ سو کوشش کرنی چاہیئے کہ انسان ہر حالت میں پُرسکون رہے اور بہتری کی جُستجو کرے۔ اِس دُنیا میں خدا تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ ہر شخص مصائب و مشکلات سے ضرور گزرے گا لیکن یہ عزم ہونا چاہیئے کہ جب بھی ان کا سامنا ہو بغیر شکوہ و شکایت اور مثبت رویّہ سے اس سے بھرپور فائدہ اُٹھائے یہی صورت ہے جس سے کہ اِنسان اِسی زندگی میں جنّت کا لُطف اُٹھا سکتا ہے۔

قرآنِ مجید یہ کہتا ہے کہ آنے والی زندگی میں جنّت مسرّت اور سکون کا گھوارہ ہے اس وقت اِنسانی رُوح پر سیاہ بادلوں کا سایہ نہ ہوگا بلکہ اس کے برعکس ہر وقت بہشت کا پُرسکون زندگی بخش سُورج انہیں زندگی دیتا رہے گا۔ اِضطراب اور بے کلی کی جگہ سکون اور چین کی حکمرانی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں فرماتا ہے:-

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ۝ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝ (۱۵: ۴۶ تا ۴۸)

متّقی لوگ یقیناً باغوں اور چشموں (والے مقام) میں داخل ہوں گے (انہیں کہا جائے گا) کہ تم سلامتی کے ساتھ بے خوف (وخطر) ان میں داخل ہو جاؤ اور ان کے سینوں میں جو کینہ (وغیرہ) بھی ہو گا اسے ہم نکال دیں گے وہ بھائی بھائی بن کر (جنّت میں رہیں گے اور) تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے (بیٹھے) ہوں گے۔

اِسی جہان میں اگر کوئی شخص جنّت کے مزے لینا چاہتا ہے تو اسے اپنے دماغ میں سے تاریک خیالات کو خیر باد کہہ دینا ہو گا اِس لئے کہ خیال ہی تو عزائم کا معمار ہے۔ اِنسان جو کچھ بھی ہے خیالات کا ہی مجموعہ ہے۔ قوّتِ ارادی اور خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ انسان کو اپنے دماغ کو شیطانی خیالات سے پاک رکھنا چاہیئے شیطان ایک خفیف دشمن نہیں اور اِسی وجہ سے یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے اور یہی ایک وجہ ہے کہ انسان کو ہر وقت چوکس رہنا چاہیئے وگرنہ نتیجہ یہ ہو گا کہ شیطانی خیالات ناقابلِ تلافی نقصان پہنچاویں گے جس سے بہشتی اخلاق کی پرورش میں مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔

ذیل میں ہم ان سیاہ اور بھیانک امور کی فہرست دے رہے ہیں جن سے بچنا لازم ہے: فکر و تشویش، ضِد، جھوٹ، اِنتقام، بغاوت، گالی گلوچ، ناواجب جوش، کِبر، لغوگوئی، چشمک، پژمردگی، حَسد، بَددیانتی، ظلم، مایوسی، اِستہزاء، ٹھٹھے بازی، شک و شُبہ، دِل شکستگی، بُغض، غیبت، دھوکہ بازی، بَدخواہی، بے صبری ـــــ یہ وہ سیاہ بھیانک چڑیلیں ہیں جو رُوح کے لئے زہرِ قاتل ہیں یہ اَخلاق اور رُوح کو سیاہ کر دیتی ہیں اِن کا کام جنّت کی طرف لے جانا نہیں بلکہ اس سے بے راہ

کرنا ہے۔ درجِ ذیل آیت میں قرآن کریم اصلاحِ نفس کی وضاحت فرماتا ہے :
قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی جو پاک بنے گا وہ یقیناً کامیاب ہو جائے گا۔ یہی اِسلام کے پیغام کی رُوح ہے جو اُوپر والی آیت میں بیان کی گئی ہے اِس لئے جو اِس حقیقت کو نہ سمجھا اس نے مقصدِ اسلام کو بھی نہ سمجھا۔ قرآن محض نظریاتی کتاب نہیں بلکہ یہ تو ایک آفاقی ہدایت نامہ ہے جو انسان میں اِنقلاب پیدا کرسکتا ہے نیز اِسی جہان میں جنّت مہیّا کر سکتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ دیانت داری اور صدق دلی سے اس کے لئے جدّوجُہد کی جائے ذیل کی نظم اس کی بھرپُور عکاسی کرتی ہے ۔
(انگریزی سے ترجمہ)

مَیں اس سے مخاطب ہوں جو اپنے گناہوں سے نبرد آزما ہے۔
اور ان پر غالب آجاتا ہے۔
اور سال بہ سال اپنے نفسِ امّارہ کے مقابل پر
سعئِ پیہم میں مصروف رہ کر اسے تسخیر کر لیتا ہے
مخاطب ہوں اس سے جو غالب ہؤا
گناہوں کی دیوار سے ٹکرا گیا

اِسی سِلسلہ میں یہ بھی تو کہا گیا ہے " جس نے اپنے نفس پر فتح حاصل کی وہ ملکوں پر فتح حاصل کرنے والے شخص سے عظیم تر ہے۔"

تاریک جذبات وخیالات جن کا اُوپر ذکر کیا گیا ہے ان کو مغلوب کرنا بظاہر مجذوب کی بَڑ معلوم ہوتی ہے اور منزل ایسی لگتی ہے گویا کہ چاند پر کوئی اُتر جائے مگر درحقیقت یہ ایسا نہیں اور یہ منفی اندازِ فکر ہے۔ بِلاشُبہ نظریہ بہت عظیم ہے

لیکن ایک مسلمان کو تو تعلیم ہی یہ دی گئی ہے کہ وہ بلند نظری پیدا کرے۔ وہ لوگ جو اپنی رُوحانی رفعتوں کے خواہاں ہیں خدا تعالیٰ بھی ان کی مدد کے لئے تیار رہتا ہے اِس لئے کہ اِس دُنیا میں اِنسان کے لئے یہی منشاء ہے اسے اِستقلال اور عزم کے ساتھ اپنی کوششیں جاری رکھنی چاہئیں اور وقت آجائے گا کہ اسے ان کوششوں کے ثمر مِل جائیں گے۔ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے کیا خوب فرمایا ہے:۔

"اِسلام اِنسان کو مایوسی سے بچاتا ہے اور اسے بتاتا ہے کہ اس کی غلطیوں کے باوجود وہ رُوحانی اور عملی پاکیزگی حاصل کرسکتا ہے جو انسان کا مقصدِ حقیقی ہے اور اسے اِس بات کی ترغیب دلاتا ہے کہ وہ نیکی اور تقویٰ کے حصول کے لئے اپنی کوششوں میں کمی نہ آنے دے اور ایک وقت آئے گا کہ آخرکار وہ اپنے مقصد میں بامراد ہو جائے گا۔"

جب اِنسان کے دوسروں کے ساتھ تعلقات میں رنجش پیدا ہو تو وہ گناہ اور غلطیاں ظہور میں آتے ہیں جن کی فہرست اِس سے پہلے دی گئی ہے۔ بانیٔ جماعت احمدیہ حضرت احمد علیہ السّلام نے دوسروں کے ساتھ تعلّقات کے سلسلہ میں لکھا ہے "مَیں نے اپنے دِل میں سے غصّہ اور نفرت کو نکال دیا ہے۔" حضرت احمد علیہ السّلام کبھی دوسروں کی کمزوریوں کے بارہ میں گفتگو نہیں فرماتے تھے۔ آپ کبھی ان الفاظ کا بھی بُرا نہیں مناتے تھے جو مخالفین آپ کے بارہ میں استعمال کرتے تھے لیکن بانیٔ اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بدزبانی کو آپ نے کبھی برداشت نہیں کیا تشویش، حسد، طمع، نفرت، غصّہ اور بدخواہی ہمیشہ رُوحانی قویٰ کو گھُن کی طرح کھا

جاتے ہیں۔

گناہوں اور خطاؤں کا اُوپر ذکر تو ہو چکا جو اِس دُنیا میں بہشت کے حاصل کرنے میں روک بن جاتے ہیں اَب ہم ان نیکیوں کا ذکر کرتے ہیں جو جنّتی دروازوں کے کھولنے میں مددگار ہوتے ہیں۔ محبّت، کشادہ نظری، ہمدردی، بزرگی، رحم، ضبطِ نفس، دیانت، صبر، خلوص، سادگی، استقلال، قناعت، صفائی، صَدقہ، بشاشت، اخلاص، عدل، مدد، وقار، جرأت، شرافت، ثابت قدمی، عفو، مہمان نوازی، اِحسان شناسی، حِلم، شفقت، بے غرضی وغیرہ وغیرہ۔ ہر مسلمان کو اپنے اندر یہ عادات وصفات پَیدا کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیئے۔ اِنسان اپنے خیالات پر حکومت کرتا ہے اور جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ایک وقت آ جاتا ہے کہ اِنسان وہی بن جاتا ہے جو اس کے خیالات ہوتے ہیں۔ سلوک کی راہوں پر سفر کرنے والے جو جنّت کی روشنی پھیلانے کا عزم رکھتے ہیں ان کے لئے پاک اور بلند خیالی ہی لازم ہے جبتک دماغ میں پَست خیالی اور ناپاک خیالات حاوی رہیں گے رُوحانی رفعتوں میں رکاوٹیں پَیدا ہوتی رہیں گی۔ اِصلاحِ نفس بڑی حد تک پاکیزہ خیالات پر ہی منحصر ہوتی ہے اور یہی مقصدِ حیات ہے۔

تقویٰ کی راہیں جنّت کے باغوں میں سے ہو کر گزرتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نیکی اور تقویٰ میں ترقّی کرنے کی بار بار تلقین کرتا ہے۔ موجودہ حالات پر کبھی قناعت کرنا مناسب نہیں نفس کی مسلسل اِصلاح ہر شخص کا مقصدِ حیات اور مطمح نظر ہونا چاہیئے اِس کے علاوہ ایک حقیقی مومن کا اَور کوئی مقصد نہیں ہونا چاہیئے اگرچہ اگلی زندگی میں نیک و بَد اعمال کرنے کی طاقت تو نہ ہوگی لیکن بہشتی لوگوں کا

اندازیہی ہوگا یہ نیک رُوحیں اللہ تعالیٰ کے حضور اسی کے لئے دست بہ دُعا ہونگی کہ انہیں اپنا زیادہ سے زیادہ قُرب عطا کرے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے :۔

نُوْرُھُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَ بِاَیْمَانِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَ اغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ (۶۶ : ۹)

ان کا نور ان کے آگے آگے بھاگتا جائے گا اور دائیں پہلو کے ساتھ ساتھ بھی وہ کہیں گے کہ اسے ہمارے رَبّ ہمارا نور ہمارے فائدہ کے لئے پُورا کر دے اور ہمیں معاف فرما تُو ہر چیز پر قادر ہے۔

اُوپر جو آیتِ کریمہ بیان کی گئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ آنے والی زندگی میں بھی اَرواح جنّت میں بھی آگے بڑھنے اور قُربِ الٰہی حاصل کرنے کی کوشش کریں گی اور اس صورت میں انسان اِس دُنیا میں کِس طرح اپنی موجودہ حالت پر قناعت کرسکتا ہے ترقّی کی ہر وقت گنجائش ہے اور جُوں جُوں اِنسان آگے بڑھتا ہے ترقّی کے وسیع میدان سامنے آتے جاتے ہیں اور جب اِنسان کو یہ علم ہوجاتا ہے کہ نعماءِ جنّت کی بھی مختلف اقسام ہوں گی تو اس کے لئے خواہش بھی بڑھتی چلی جاتی ہے تاکہ اپنے آپ کو خوب سے خوب تر کرتا چلا جائے تاکہ بہتر سے بہتر انعامات کا وارث بن سکے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے وَ لِکُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا (۶ : ۱۳۳) اور ان سب کو ان کے اعمال کے مطابق درجات ملیں گے۔ بانیٔ جماعت احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے بھی فرمایا ہے "جو خدا کو قبول کرتے ہیں اور خدا کی محبّت میں کھو جاتے ہیں اور صراطِ مستقیم پر قائم ہو جاتے ہیں ان کے لئے انعامات بھی خاص ہوتے ہیں جو دوسروں کو نہیں ملتے۔"

ہر عقلمند شخص یہ بات جانتا ہے کہ اِنسان کی آواز سے اس کے جذبات اور احساسات

کا اظہار ہوتا ہے۔ اِنسان کو چاہیئے کہ اپنی گفتار میں نامناسب اور گھناؤنے الفاظ اِستعمال نہ کرے اور ایسی باتیں کرے جن سے شگفتگی کا اظہار ہو۔ جیسے خیالات ہوں انسان ویسا ہی ہوتا ہے اِسی طرح اس کی گفتگو بھی اس کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتی ہے۔ یہ بات خوب سمجھ لو کہ انسان کی گفتگو اس کی شخصیت پر اثر انداز ہوتی ہے اِنسان جو بننا چاہتا ہے اس کے مطابق گفتگو کا انداز رکھے تو اسی کے مطابق بن جائے گا اور اگر وہ چاہتا ہے کہ رُوحانی اِبن اللہ بن جائے اور جنّت میں اس کا خاص مقام ہو تو اس کی گفتگو اسی انداز کی ہونا لازم ہے۔ گفتگو رُوح کا آئینہ ہوتی ہے۔ اگر کبھی کوئی دِل شکستگی یا مایوسی کی بات کرنی ہو تو اس سے پرہیز کرے اور بہتر یہ ہے کہ گفتگو کا موضوع تبدیل کرے یا پھر خاموشی اختیار کرلے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی عادت میں یہ بات داخل تھی کہ آپ کبھی کسی کے بارہ میں تحقیر آمیز گفتگو نہیں فرماتے تھے خواہ اس میں کتنی ہی کمزوریاں ہوں۔

اِحسان مندی بھی وہ جذبہ ہے جس سے دینے والا اور لینے والا دونوں ہی محظوظ ہوتے ہیں۔ ایک احمدی کے لئے تو اللہ تعالیٰ کا بے اِنتہاء شکر ادا کرنے کے لاتعداد مواقع ہیں اور اِس دُنیا میں اِنسان کے لئے لاتعداد محرومیاں بھی آتی ہیں لیکن احمدی مسلمان کے لئے تو یہی بہت عظیم اِنعام ہے کہ اسے احمدیت یعنی حقیقی اِسلام کی نعمتِ غیر مترقّبہ نصیب ہوئی۔ اللہ جلّ شانہٗ قرآن مجید میں فرماتا ہے وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (۲ : ۱۸۶) اِس بات پر اللہ کی بڑائی کرو کہ اس نے تم کو یہ ہدایت دی ہے اور تاکہ تم (اس کے) شکر گزار بنو۔

اِنتہائی اِحسان ناشناسی ہوگی کہ اِنسان واویلا مچائے اور شور و غوغا کرے

اِس لئے کہ اس کی بعض خواہشات اس کی اپنی مرضی سے کیوں نہیں پوری ہوئیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اِنسان اس جہان میں بہشتی زندگی گذار ہی نہیں سکتا اگر مایوسیاں اور محرومیاں اس کے جذبات پر حکمرانی شروع کر دیں۔

ہر انسان کی زندگی رحمتوں اور برکتوں سے معمور ہوتی ہے اگر وہ منظرِ عام پر نہیں تو انہیں ضرور تلاش کرنا چاہیئے۔ اِس ضمن میں چند شعروں کا ترجمہ پڑھیں۔ (انگریزی)

اگر مَیں تفکّرات اور پریشانیوں کی فہرست بنانے لگ جاؤں تو یہ اَن گنت ہیں۔
اِس لئے میرے چہرہ پر بشاشت کہاں سے آئے گی۔
مگر واہ واہ مجھے نعمتیں بھی تو حاصل ہیں۔
مَیں ان کو شمار کرتا رہتا ہوں اور مجھے اپنے ربّ کے اِحسانات کی شکر گزاری سے فراغت ہی نہیں ملتی۔

کبھی اس مثال پر غور کرو کہ ایک شخص کو شکوہ تھا کہ وہ جوتیوں سے محروم ہے یہانتک کہ اسے ایسا شخص نظر آیا جو ٹانگوں سے ہی محروم تھا اور اس شخص کی شکر گزاری کا جذبہ دیکھو جو سیڑھی پر سے گِرا اور ٹانگ ٹوٹ گئی تو اس نے کہا اللہ تیرا شکر ہے کہ صرف ٹانگ ہی ٹوٹی گردن کا مَنکا نہیں ٹوٹ گیا۔

یاد رہے کہ احسان شناسی اور مسرّت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اِس مضمون کی ابتداء میں ہی ہم نے یہ بات کہی تھی کہ اِن سطور کے لکھنے کا مدّعا یہ ہے کہ ہم اِس دُنیا میں جنّت کے اثمار سے کِس طرح مُستفید ہوں اور مَیں سمجھتا ہوں کہ اِس سلسلہ میں کافی بیان ہو چکا ہے اور مزید لکھنا طوالت کا باعث ہو جائے گا اِس لئے اَب ختم کرتا ہوں ۞

4

رُوح ـــــ چند خیالات

رُوح ہماری ہستی کا سب سے قیمتی حصّہ ہے کیونکہ یہ وہ بیج ہے جس سے اگلے جہان کے لئے ہمارا رُوحانی جسم تیار ہوتا ہے۔ جس طرح ایک بچّہ نطفہ کی خصوصیّات کے مطابق ایک ماں کے رِحم میں پرورش پاتا ہے اسی طرح موت کے بعد رُوح ہمارے رُوحانی جسم کے لئے بطور بیج کے کام کرتی ہے چنانچہ اس رُوحانی جسم کا دارومدار اِس بات پر ہے کہ ہماری رُوح کِس حال میں اِس دُنیا سے رخصت ہوتی ہے۔

یہ بات ہر مسلمان فرد پر بخوبی عیاں ہونی چاہیئے کہ اس کی زندگی کا مقصد رُوح کی صحیح طریق پر نشوونما کرنا ہے اور یہ نشوونما صرف مذہبِ اسلام کے اصولوں اور قوانین کی اطاعت سے ہی ہوسکتی ہے۔ مسلمان کو ہر وقت اپنی عادات پر غور کرتے رہنا چاہیئے اور غیر اسلامی طرزِ زندگی سے بچنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیئے نیز نیکی کے راستوں پر گامزن رہنے کے لئے مثبت اقدام کرنے چاہئیں یہ ہے زندگی کا اصل مقصد اور دونوں جہانوں میں خوش رہنے اور کامیاب ہونے کا راز۔

رُوح کا وجود اتنا ہی یقینی ہے جتنا کہ ہمارے جسم کا جس میں یہ بستی ہے اور

آنے والی زندگی اتنی ہی یقینی ہے جتنی کہ مادی دُنیا کی حقیقت۔ اور اس کا سب سے بڑا ثبوت قرآن مجید یعنی خدا کا کلام ہے۔

قرآن مجید میں متعدّد مقامات پر بیان ہُوا ہے کہ انسان کس طرح دنیاوی مال و متاع کے حصول کے لئے رُوحانی فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی سے کام لیتا ہے۔ اسلام کا مطلب خدا کی رضا کے آگے جُھک جانا ہے۔ یہ ہے وہ پیغام جو حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح الزّمان نے مسلمانوں کی بے دینی کی کیفیّت کو دیکھ کر دیا۔ احمق ہے وہ مسلمان جو اپنی رُوحانی ترقّی کی بجائے خدا کے قوانین کو توڑتا ہے اور اِس دُنیا کے کاموں میں زیادہ دلچسپی لیتا ہے چنانچہ وہ دن ضرور آئے گا جب وہ پچھتائے گا۔ اور کفِ افسوس مَل کر کہے گا:

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ

(۲۳ : ۱۰۰، ۱۰۱)

خوب جان لو کہ رُوح ہی ہماری اصل حقیقت ہے ہم رُوح ہیں جس کے ساتھ جسم لگا ہُوا ہے نہ کہ جسم جس کے ساتھ رُوح لگی ہوئی ہے۔ رُوح اور جسم ایک دوسرے سے منسلک ہیں جو ایک دوسرے کو متأثر کرتے ہیں اور ایک وقت آتا ہے جب رُوح جسم کو اِس طرح اُتار پھینکتی ہے جیسے سانپ اپنی کینچلی اُتار دیتا ہے۔ ہمارا جسم رُوح کے ساتھ صرف ایک محدود عرصہ کے لئے لگا ہُوا ہے اِس لئے یہ بات واضح ہو کہ ہمیں اِس زندگی میں رُوح کا خیال رکھنا اپنا فرضِ اوّلین قرار دینا چاہیئے۔

فی الحقیقت یہ رُوحانی خودکشی ہے کہ انسان رُوحانی باتوں کو ترک کردے اِس لئے کہ اسے مادی خوشحالی اور دَولت ملے تا وہ رنگ رلیوں والی زندگی گذارے۔ اِس

دُنیا کی نعمتیں تھوڑے عرصہ کے لئے ہیں جبکہ خدا کے راستہ میں کوشش اور عمل کرنا اَبدی اور فائدہ مند چیز ہے۔ جو مادی دَولت اور خوشی خدا کی ناراضگی مول لے کر حاصل کی جائے وہ رُوح کو گندہ کرتی ہے اور ایک زہر ہے۔

ہر شخص کو خدا کی آواز کی طرف توجّہ دینی چاہیئے اور اس خطرہ سے آگاہ رہنا چاہیئے جو اِس دُنیا کے کاموں میں پھنس جانے میں پنہاں ہے۔ خدا تعالیٰ اپنی کتاب قرآن مجید میں فرماتا ہے: وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ (۶ : ۳۳) ایک اَور جگہ ارشاد ہوتا ہے يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ز وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۝ (۴۰ : ۴۰) حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے اِس بارہ میں کیا خوب فرمایا ہے:

"یہ یقین کہ خدا تعالیٰ ہر لمحہ ہمیں دیکھ رہا ہے غلط کاموں کے خلاف سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور یہی چیز نیک کام کرنے کے لئے سب سے بڑی ترغیب ہے۔" (ملاحظہ ہو کتاب اِسلام)

ISLAM – IT'S MEANING FOR MODERN MAN

اِسی طرح حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ نے اس کی کیا اچھی تفسیر فرمائی ہے " ایک دانا آدمی کا ہر کام اس کی اپنی اصلاح کے لئے ہوتا ہے۔ اس کی سب فکریں عاقبت کے لئے ہوتی ہیں اور اس کی ساری تگ و دَو آنے والی زندگی کی بہتری کے لئے ہوتی ہے۔"

رُوح انسان کا سب سے بڑا گوہر ہے اس کو سنبھال کے رکھنا اور نیکیوں کے ساتھ اسے آبدار کرتے رہنا بہت ضروری ہے قبل اِس کے کہ موت آئے اس کی فکر

کرنا لازمی امر ہے کیونکہ نیک یا بد کام کرنے کی صلاحیت تو موت کے بعد ختم ہو جاتی ہے اگرچہ رُوحانی ترقّی خدا تعالیٰ کے فضلوں سے جاری رہتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے :-

يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ○ (۶۶ : ۹)

تمام اَرواح کا جنّت میں مقام ایک جیسا نہ ہوگا کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ہمیں خود بتلاتا ہے کہ ہر شخص کو جیسا اس نے کام کیا ویسا ہی اَجر دیا جائے گا۔ فرمایا وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا (۴۶ : ۲۰) اور ان سب کو ان کے اعمال کے مطابق درجات ملیں گے۔ اور حدیثِ نبویؐ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی راہ میں جو جہاد کرتے ہیں ان کے لئے جنّت میں سَو درجات ہیں اور ان کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا کہ زمین اور آسمان کے درمیان ہے۔

کِسی بھی مخلص مسلمان کو یہ نہیں ماننا چاہیئے کہ وہ اتنا نیک ہے کہ جنّت میں اس کی جگہ پکّی ہے چنانچہ ایسا مسلمان اپنے آخری سانس تک اپنی رُوح کو چمکانے میں اور خدا کی طرف زیادہ رغبت میں کوشاں رہے گا یہ ہے اسلام کا اصل مقصد۔

موت کے بعد رُوح واپس نہیں آئے گی۔ کوئی مُردہ آدمی آج تک زندہ نہیں کیا گیا یہ خدا کا اٹل قانون ہے۔ فرمایا :

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِىْ لَمْ تَمُتْ فِىْ مَنَامِهَا

(۳۹ : ۴۳)

رُوح موت کے وقت ہمیشہ کے لئے جسم سے رخصت ہو جاتی ہے اور نیند میں عارضی طور پر رخصتی لے جاتی ہے مگر نیند سے اُٹھنے پر جسم میں فوراً بجلی کی چمک کی مانند واپس آجاتی ہے۔ جسم رُوح کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اور رُوح جسم کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ موت کے بعد رُوح رُوحانی ہالہ میں لپٹ جاتی ہے۔ اِس کی مثال رُوحانی نور کے ساتھ یا شیطانی تاریکی کے ساتھ دی جاسکتی ہے اور اس رُوحانی نور کی چمک یا تاریکی کی گہرائی اِس بات پر منحصر ہے کہ اس میں کس قدر رُوحانی مقناطیسیّت ہے جہاں سے یہ نور آرہا ہے۔

رُوح کے گِرد جو ہالہ ہے یہ وہ رحم ہے جس میں سے روزِ قیامت یہ ایک رُوحانی تخلیق بن کر نکلے گی۔ تبدیلی کے ایک مخصوص نظام کے مطابق رُوح ایک نئے رُوحانی جسم میں تبدیل ہو گی اس نئے جسم میں مادی جسم سے زیادہ قوّت بخش رُوحانی خواص ہوں گے اور نیا روحانی جسم انسانی رُوح سے بہت زیادہ لطیف ہو گا جس کی خود ایک رُوح ہو گی۔

یہ بیان کیا گیا ہے کہ جسم رُوح کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نیند کے وقت جب رُوح اس کو چھوڑ جاتی ہے تو جسم کیسے زندہ رہ جاتا ہے تو اِس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ رُوح نیند کے وقت باہر چلی جاتی ہے مگر دونوں میں ایک رُوحانی ڈوری کے ساتھ تعلق قائم رہتا ہے اور دونوں ایک دوسرے سے جُدا نہیں ہوتے۔ ایک خلائی طیارہ زمین کی حدود سے نکل کر کُرّۂ زمین سے باہر نکل جاتا ہے مگر زمین پر کنٹرول اسٹیشن اور طیارہ کے درمیان ریڈیائی تعلق قائم رہتا ہے جو اس بے ہوا باز طیارہ کو زمین پر واپس لا سکتا ہے یہی تعلق رُوح اور جسم کے درمیان

نیند کی حالت میں ہوتا ہے اگرچہ رُوح بَیرونی علاقہ میں ہوتی ہے لیکن اس کا جسم کے ساتھ جوڑ ضرور رہتا ہے اور اسی تعلق کی وجہ سے رُوح واپس آتی ہے اور جب یہ تعلق قطع ہو جاتا ہے تو اس وقت رُوح مستقل طور پر علیحدہ ہو جاتی ہے اور یہی موت کا باعث بن جاتا ہے اس کے بعد رُوح پھر واپس نہیں آتی اور کسی اَور جگہ زندہ رہتی ہے۔

جب رُوح جسم سے باہر ہوتی ہے اُس وقت عموماً ہمارا دماغ رُوح کے تجربات کو یاد نہیں رکھ سکتا۔ رُوح جاگتے ہوئے بھی اور سوتے ہوئے بھی انسانی جسم سے جا سکتی ہے۔ ایک انگریز مصنّف کیپٹن برٹن BURTON جب ایک دفعہ سخت بیمار ہوُا تو اس نے اپنے آپ کو ایک اَور جسم پر تیرتے ہوئے محسوس کیا جو بعد میں اسکے جسم میں داخل ہو گیا۔ اَور بھی لوگوں نے دُنیا میں رُوح اور جسم میں رُوحانی فیتہ کے تعلق کا تجربہ کیا ہے۔ مذہبی کتابوں اور حالات کی گواہی اِس بات پر ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم تسلیم کریں کہ رُوح واقعی موجود ہے یہ ہماری ذمّہ داری ہے کہ ہم اس کو اپنے اندر محسوس کریں اور اس کو نیک خیالات، الفاظ اور اعمال کی غذا دیں تا یہ رُوح چودھویں کے چاند کی طرح خوب چمکے اِس دُنیا میں بھی اور آنے والی دُنیا میں بھی۔ آمین ؏

سکونِ قلب ایک اندرُونی کیفیّت ہے جس کو پانے کے لئے ہر کوئی خواہش کرتا ہے مگر بہت تھوڑے اس کو پاتے ہیں۔ اکثر وہ لوگ جن کو اشتعال انگیزی کا نشانہ بنایا جائے وہ بے چینی اور مایوسی کا کم و بیش اظہار کرتے ہیں۔ حقیقی سکونِ قلب کا اظہار انسان کے کردار سے نمایاں ہوتا ہے اور اس کا اظہار انسان کی آواز، رفتار اور دیگر جسمانی حرکات سے ہوتا ہے۔ یہ درحقیقت آسمانی نعمت ہے جو انسان کے اندر سکونت پذیر رہتی ہے اور ہماری شخصیّت کو چوبیس گھنٹے متأثر کرتی ہے۔

رُوح کا سکون ایک ایسی خصوصیّت ہے جسے ہر کوئی اپنے اندر پیدا کر سکتا ہے۔ اِس امر میں کامیابی کے حصول کے لئے ضروری اجزاء یہ ہیں: دُعا، دماغی توجّہ، ضبطِ نفس، پختگی، ارادہ اور استقلال۔ یہ صفات یقیناً اِنسان کو اپنی منزل کی طرف اُڑا کے لے جائیں گی اور وہ جلد ہی ایک عظیم انقلاب اپنے اندر محسوس کرے گا۔ اپنی کوشِشوں کے اوّلین ثمرات سے وہ مطمئن نہ ہوگا چنانچہ وہ مزید ترقّی کے لئے خواہش اور کوشِش کرتا رہے گا اور ہمیشہ اپنے اعمال میں

احتیاط برتے گا تا ذرا سی لغزش بھی اس کے رُوحانی توازن کو بگاڑ نہ دے اور جُوں جُوں وہ ترقّی کرے گا سکون اور اطمینان اس کے خیالات اور اعمال پر اِس قدر حاوی ہوں گے کہ اس کو ہر وقت چوکس رہنے کے لئے مزید کوشش اور احتیاط درکار نہ ہوگی اور یہ چیز اس کی فطرتِ ثانیہ بن جائے گی۔

جس شخص کو سکونِ قلب حاصل ہو جاتا ہے وہ دُنیا کی تکالیف اور دُکھوں سے آزاد نہیں ہو جاتا ایسا شخص ان تکالیف سے خوب واقف ہوتا ہے مگر ان کو نہایت سکون سے قبول کرتا ہے اور دیکھنے والا ایسے شخص میں بظاہر کوئی جذباتی تغیّر نہیں دیکھ سکتا۔

حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود علیہ السّلام کو اپنی پہلی بیٹی عصمت سے بہت لگاؤ تھا جب وہ بیمار ہوئی تو آپ نے اس کی بہت دیکھ بھال کی لیکن جب وہ بقضائے اِلٰہی فوت ہوگئی تو ایسا محسوس ہوتا تھا گویا آپ اسے بالکل بھُول گئے ہیں۔ آپ نے خدا کی مرضی کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا تھا۔ ایک اَور موقع پر بعض عیسائی پادریوں نے آپ کے خلاف قتل کا جھوٹا مقدمہ دائر کر دیا۔ ایسی حالت میں عموماً لوگ بے چینی اور اضطراری کا اظہار کرتے ہیں مگر حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ بالکل پُر سکون رہے کسی کو گمان بھی نہ ہو سکتا تھا کہ آپ کے اُوپر قتل کا الزام عائد ہے۔

جس شخص کو سکونِ قلب حاصل ہو وہ کبھی گھبراتا نہیں ہے۔ زندگی یا موت، صحت کی خرابی، مصائب و تکالیف اس کو پریشان نہیں کرتے اگرچہ ایسا شخص ان مصائب کے اثرات سے متاثر ضرور ہوتا ہے لیکن اس کے سکون و حرکات پر اسے پورا ضبط حاصل ہوتا ہے۔

قرآن پاک میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ انسان کو مختلف مصائب میں مبتلا کر کے صبر سکھلاتا ہے فرمایا:۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ (۲: ۱۵۶، ۱۵۷)

حقیقت تو یہ ہے کہ تکالیف اور مصائب کے دَوران ہی انسان کی صحیح پہچان ہوتی ہے جبکہ انسان کو تمام نیکیوں سے افضل نیکی یعنی صبر کے مظاہرہ کا موقع ملتا ہے۔ سِفلی جذبات کو زیر کرنا کوئی آسان کام نہیں مبارک ہیں وہ لوگ جو اِس میں کامیاب ہوتے ہیں۔ بعض لوگ سب سے نیک اور بزرگ سمجھے جاتے ہیں مگر ذراسی بات پر وہ اِس قدر بے صبری اور غم و غصّہ کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ ان کے معتقدین حیران و ششدر رہ جاتے ہیں۔

ہمارے اِس مضمون کا مقصد "پُرسکون قلب" کی جاذبیّت کی طرف توجّہ مبذول کرانا ہے تاکہ قارئین ایسی ذہنی کیفیّت پَیدا کریں اور اس ذہنی حالت کے پَیدا کرنے کے لئے ایسے گُر بتلائے جائیں کہ انسان ان بلندیوں کی طرف پرواز کر سکے۔

جو شخص "سکونِ قلب" کی تلاش میں سرگرداں ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر ایسی حالت اور موقع سے آگاہ ہو جو اس کی رُوح کو برباد کر دے۔ وہ روزمرّہ زندگی کے ان تمام واقعات سے آگاہ ہو جہاں سے اسے ٹھوکر لگنے کا احتمال ہو اور وہ ان حادثات سے بچنے کے لئے مناسب اقدامات کرے۔ اس عظیم مقصد کے حصول کے لئے یہ امر بہت مفید ہے کہ آنے والے خطرات سے محفوظ رہنے کیلئے

ان امور کا علم ہو جو اس کی راہ میں حائل ہوتے ہیں۔ سیاہ بادل آنے والے طوفان کی علامت ہوتے ہیں انہیں دیکھ کر راہگیر پناہ تلاش کرتا ہے۔ گھر والی دھوپ میں لٹکے ہوئے کپڑوں کو جلد جلد اکٹھا کر لیتی ہے اور گڈریا اپنا ریوڑ ہانک کر باڑہ میں لے جاتا ہے۔ وہ سب سمجھ جاتے ہیں کہ طوفان کی آمد ہے اور اس سے بچاؤ کا سامان ضروری ہے۔

سیلف کنٹرول کے نہ ہونے سے بے صبری، بے آرامی، گالی گلوچ، غصّہ اور طنز آمیزی کے دروازے کھُل جاتے ہیں ان سب پر قابو پانا ضروری ہے۔ اب ہم روزمرّہ زندگی کی چند ایسی باتوں کا ذکر کرتے ہیں جو انسان کو بُرائی کی طرف لے جاتی ہیں۔ یہ صرف وارننگ سائن ہیں اور جُونہی یہ نظر آئیں ان کے خلاف حفاظتی انتظامات کئے جائیں۔ ہر علامت کو ایک چیلنج سمجھا جائے اور ضبطِ نفس کا ایک زینہ سمجھا جائے مجھے یقین ہے کہ رفتہ رفتہ ان پر عبور حاصل کیا جا سکتا ہے۔

شور

شور عام طور پر اعصاب شکنی، غم و غصّہ اور تلخ نوائی کا باعث بن جاتا ہے۔ گھر میں بچّوں کا شور و غل بعض دفعہ گھر والوں کے لئے ناراضگی کا باعث بن جاتا ہے۔ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اپنے بعض علمی شاہکار اِسی قِسم کے شور و شغب کے درمیان تحریر فرمائے جو آپ کے گِرد و پیش جاری رہتا تھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو سخت سر درد تھا اور حضرت مولوی عبد الکریم صاحب نے عرض کیا کہ بچّوں اور ملازموں کا شور حضور کی طبیعت پر بوجھل

تو نہیں۔ فرمایا کہ مَیں خود ان سے یہ کہنا پسند نہیں کرتا البتہ آپ نرمی سے ان سے خاموشی کے لئے کہہ دیں۔ اِسی طرح ایک اَور موقع پر آپ حضور سے پوچھا گیا کہ آپ گھر کے شور وغل میں کیسے علمی کام کر لیتے ہیں؟ تو فرمایا کہ مَیں تو اس طرف توجّہ ہی نہیں کرتا لہٰذا مجھے یہ ناگوار نہیں گزرتا۔

خلل اندازی

بعض اَوقات اِنسان جب کسی دلچسپ کام میں ہمہ تن مصروف ہوتا ہے تو بے وجہ کی خلل اندازی بہت بُری محسوس ہوتی ہے حتّٰی کہ ایک چہچہاتا ہُوا پرندہ یا مکّھی و مچّھر کی بھنبھناہٹ بھی اِس قدر بُری محسوس ہوتی ہے کہ اِنسان غصّہ میں آپے سے باہر ہوجاتا ہے اور اسی طرح نیند میں خلل بھی بعض لوگوں کو بہت بُرا لگتا ہے۔

کہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام جب کسی علمی کام میں محو ہوتے تو بچّے آپ کے کام میں مخل ہوتے مثلاً دروازہ پر بار بار دستک دیتے اور دروازہ کھولنے کے لئے کہتے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام بِلا پس وپیش دروازہ کھول دیتے۔ ایک دفعہ آپ کے صاحبزادے حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد نے آپ کا ایک مسوّدہ جلا دیا تو آپ نے مُسکرا کر فرمایا شاید خدا تعالیٰ کو اس سے بہتر مسوّدہ لکھوانا منظور تھا۔

یاوہ گو

بعض لوگ بہت باتونی ہوتے ہیں۔ خود ستائی میں وہ اِس قدر دوسروں کو بور کرتے ہیں کہ انسان پریشان ہو جاتا ہے ایسے لوگوں کو توجّہ دینا نہایت مشکل کام ہے

سُننے والے کے لئے ایسا شخص گویا صبر کا اِمتحان ہوتا ہے۔

غذا

بعض اَوقات غذا اِنسان کی پریشانی کا موجب ہوجاتی ہے۔ بچّے اس کا اِظہار بہت خوبی سے کرتے ہیں۔ بعض خاوند اپنی بیویوں پر اِس لئے ناراض ہوتے ہیں کہ کھانا وقت پر تیار نہ تھا۔ بھُوک اعصاب پر بُری طرح اثر انداز ہوتی ہے اور جو حضرات روزوں کے عادی نہیں ہوتے بھُوک ان کے لئے وبالِ جان بن جاتی ہے ہم سب کو بھُوک کی علامات ظاہر ہوتے ہی خبردار ہوجانا چاہیئے۔

مالی پریشانیاں

مالی مسائل اکثر دماغ پر بوجھل ہوتے ہیں۔ ان مسائل سے انسان کی صحیح قدریں گر جاتی ہیں، پریشانیاں بڑھ جاتی ہیں۔ مالی مسائل ہمارا ذہنی سکون خراب کرنے کا باعث نہیں ہونے چاہئیں بلکہ سکونِ قلب ہمارا مقصد اور مدّعا ہونا چاہیئے ہمیں خدا پر توکّل رکھنا چاہیئے اور اس کا شُکر گزار ہونا چاہیئے کہ احمدیت کے ذریعہ ہمیں وہ لازوال دَولت ملی جو دُنیا کی تمام دولت سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ ہمارے پیارے نبی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں بوقت وفات صرف چند کھجوریں ہی اثاثہ تھیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے پاس وفات کے وقت صرف ایک روپیہ تھا۔ سکونِ قلب انسان کو ہشاش بشاش اور مُسکراتا ہُوا چہرہ رکھنے میں ممد ہوتا ہے خواہ انسان کو کیسے ہی مالی مسائل درپیش ہوں۔

تھکاوٹ

تھکا ماندہ اِنسان مسکراہٹوں سے دُور ہوتا ہے۔ اس کے اعصاب کِھچے ہوتے ہیں۔ ہر کام اور چیز طبیعت کے خلاف اور شکایت کا موجب بن جاتی ہے۔ تھکے ہوئے شخص کو اپنی گفتگو اور اعمال کی طرف خاص توجّہ دینی چاہیئے۔

گالی گلوچ

بعض لوگ اپنی زبان کو گالی گلوچ کے مُہلک ہتھیار سے مسلّح رکھتے ہیں تا وہ دوسروں کو بے عزّت کر سکیں۔ اگر آپ کی کوئی اِس طرح بے عزّتی کرے تو میرا مشورہ یہ ہے کہ خاموش رہیں اور ایسے مُفسد شخص کے سامنے تو لازماً خاموش رہیں اِس کام کیلئے ضبطِ نفس کی ضرورت ہے۔ ہماری زندگی میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جن سے ہم ناراض اور خفا ہو سکتے ہیں۔ مثلاً اگر آپ کسی سے متّفق نہ ہوں تو اس کا اظہار حکمتِ عملی سے کرنا پسندیدہ ہے مگر اس چیز کو کُھلّم کُھلا دشمنی کی ایک وجہ بنا لینا ناپسندیدہ امر ہے۔ زندگی میں ہمیں خفا کرنے والے امور کی ایک فہرست قارئین کے لئے پیش کی جاتی ہے :-

(ا) جب لوگ وقت کے پابند نہ ہوں (ب) جب کوئی قیمتی چیز کھو جائے (ت) جب کوئی خواہ مخواہ لڑائی مول لے (ث) جب کوئی بَس یا گاڑی سے رہ جائے (ج) جب کوئی وعدہ ایفا نہ کرے (ح) جب صحت خراب ہو اور انسان سخت تکلیف میں مُبتلا ہو (خ) ناروا سلوک۔

اِس فہرست میں اُور بھی دوسری باتیں شامل ہوسکتی ہیں مگر چند ایک کی نشاندہی کافی ہے۔

جس طرح جسمانی ورزش انسان کے جُثّہ کو مضبوط بناتی ہے اسی طرح ذہنی اور رُوحانی امور کے ذریعہ دماغی اور رُوحانی آسائش کا سامان کیا جاسکتا ہے کسی مقصد کے حصول کے لئے خواہ وہ مادی ہو یا رُوحانی خاص دھیان اور غور و فکر کی ضرورت ہے جس کے پیچھے کامیاب ہونے کا زبردست جذبہ کارفرما ہو۔ مندرجہ ذیل مساوات ہمیشہ مدِّنظر رکھیں :

شوق + چاہت = کامیابی

سکونِ قلب کی گہرائی ناپی نہیں جاسکتی۔ یہ وہ ہیرا ہے جو انمول ہے اور اسی کو نصیب ہوتا ہے جو دیانتداری سے اس کی تلاش میں سرگرداں ہوتا ہے اور اپنے کردار پر مسلسل نظر رکھتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کے حضور دعاؤں سے کامیابی کی التجا کرتا ہے ؎

قارئین آپ میں سے کئی ایک نے یہ مقولہ تو ضرور سُنا ہوگا "وہ اِنسان سب سے زیادہ طاقتور ہے جس کو اپنے نفس پر ضبط ہے۔" چاند کی طرف بازو بڑھا کے پکارنے سے کبھی یہ چمکتا ہوُا سیّارہ اِنسان کے پاس نہیں آسکتا۔ ایک خلائی سیّارہ کے بنانے، اس کے خلاء میں جانے اور اس کے تیز رفتار سفر بمع سائنسی آلات کے، نیز انسان کے خلائی سفر سے قبل کائنات کے قوانین کو سمجھنا، ان پر غور وفکر کرنا بہت ضروری ہے۔

خدا کبھی بھی اِنسان کی اِس خواہش کو پُورا نہیں کرے گا کہ وہ آنکھ جھپکنے میں زمین سے اُڑ کر چاند کی سطح پر پہنچ جائے۔ اِس کے برعکس خدا نے اِنسان کو عقل دی ہے کہ وہ مطالعہ، مشاہدہ، تجربات اور سائنسی قوانین کو سمجھ کر اپنے مقصد کو حاصل کرے ـــــ یعنی چاند کی تسخیر۔

سائنسی اصولوں کی طرح رُوحانی اصول کو بھی انسان اگر سمجھے اور پہچانے تو اِس دُنیا سے نکل کر جنّت کی دُنیا میں پہنچ جائے لیکن اِس کے لئے پہلا قدم بھی اِنسان کو ہی اُٹھانا ہوگا کیونکہ خدا صرف ان کی ہی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے

ہیں۔ جس طرح ایک خلائی سیّارہ کی کامیابی کا دارومدار "کنٹرول سنٹر" پر ہے جو اس کے گوناگوں کاموں اور حالتوں کا خیال رکھتا اور ہدایات دیتا ہے اسی طرح رُوحانی پرواز کے لئے بھی انسان کو ایک اندرُونی کیفیّت کا پانا ضروری ہے اور وہ کیفیّت ہے ضبطِ نفس۔

ضبطِ نفس ہی وہ چیز ہے جو انسان کے کردار کو رنگین کرتی ہے۔ کردار کے بنانے میں اس کا دخل بہت زیادہ ہے اس لئے اِس کے حاصل کرنے میں خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ اپنے کردار کو بلندیوں تک پہنچانے کی طاقت فی الحقیقت اِنسان کے اندر ہی پوشیدہ ہے۔ یہ بجا ہے کہ تمام طاقت کا سرچشمہ خدا تعالیٰ ہے لیکن وہ ان ہی کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوُا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰیO (۸۷ : ۱۵) یعنی وہ شخص کامیاب ہوُا جس نے اپنے آپ کو پاک کر لیا۔ ایک مومن ہمیشہ خدا کی پناہ میں رہنا پسند کرتا ہے شیطان کا اس پر دائمی غلبہ نہیں ہوسکتا۔ اِس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے خدا کی تائید و نصرت کی سخت ضرورت ہوتی ہے اور خدا تعالےٰ اپنا ہاتھ اس شخص کو ضرور دیتا ہے جو اس کی طرف بڑھنے کے لئے کوشاں رہتا ہے۔

اِسلامی طریقِ زندگی نہایت منظّم طریقِ حیات ہے جو اطاعت، کوشش اور نگرانی پر خاص زور دیتا ہے۔ نظم و ضبط کی ریڑھ کی ہڈی درحقیقت ضبطِ نفس ہے۔ گذشتہ انبیاءؑ صوفیاء اور اولیاء کی زندگی کا مطالعہ ہمیں بتلاتا ہے کہ ان کی زندگی میں ضبطِ نفس کا بہت دخل تھا جس کی بناء پر ان میں رُوحانی جذب اور کشش پیدا ہوئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہر عمل، ہر بول اور ہر حرکت پر ضبط حاصل تھا آپؐ فرض کے راستہ پر ہمیشہ گامزن رہے اور سخت سے سخت آزمائش میں بھی صبر

اور ضبط سے کام لیا۔ آپ میں صبر، صداقت، دیانت، جرأت، انصاف کُوٹ کُوٹ کر بھرے ہوئے تھے جیسا کہ آپؐ حضور کی بیگم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپؐ کا خُلق قرآن تھا کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰن۔

حضرت احمد علیہ السّلام کی زندگی اور کردار میں بھی ہمیں ضبطِ نفس نمایاں نظر آتا ہے۔ آپ کی زندگی میں آپ سے زیادہ شاید ہی کسی اَور کو اتنی گالیاں دی گئیں اور طعنہ و تشنیع کا ہدف بنایا گیا لیکن اس کے باوجود آپ کے کردار اور عمل میں کبھی فرق نہ آیا۔ آپ کے نحیف کندھوں پر ایک عظیم ذمّہ داری تھی لیکن آپ نے ہمیشہ خدا تعالیٰ پر توکّل کیا اور اپنے مشن میں کامیابی و کامرانی کے لئے صرف اللہ تعالیٰ کے حضور ہی دُعا کی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ عارضی ناکامی سے کبھی نہ گھبرائے اور نہ ہی کسی کی دشمنی اور تمسخر نے آپ کو پریشان کیا۔ حضرت مولوی عبد الکریم صاحب سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا "میرے دِل میں رحم کی انتہا نہیں اور غصّہ کو تو مَیں نے بالکل ہی ختم کر دیا ہے۔"

ہم اپنی زندگی میں اپنے حاکم ہیں۔ خدا نے ہماری رہنمائی فرمائی ہے اور ہمیں ایسی فراست عطا کی ہے جس سے ہم اپنا کردار اچھا بنا سکیں۔ یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے کردار کے معمار بنیں۔ شیطانی قوّتوں کا دلیری سے مقابلہ کریں۔ اپنے آپ کو پاک صاف رکھیں اور دُعا کے ساتھ خدائے ذوالجلال کی ہدایت اور رحمت کے طلبگار ہوویں یہ ایک بڑا مشکل کام ہے جسے ہم نے ہی کرنا ہے اور صراطِ مُستقیم پر گامزن رہنے کیلئے ضبطِ نفس کے "سٹیئرنگ ویل" STEERING WHEEL پر قابو رکھنا ہوگا جس طرح ایک جہاز کا کپتان اس کو طوفان میں سے گذارتا ہوُا بندرگاہ پر لے آتا ہے۔

ضبطِ نفس ایک مسرّت سے بھرپُور زِندگی کے کردار کو ڈھالتا ہے۔ ہندوؤں کی مقدّس کتاب "گیتا" میں لکھا ہے کہ "وہی شخص حقیقی مسرّت سے فیضیاب ہے جو نفرت سے بالاتر ہے اور اس کے جذبات پر اس کا قابو ہے۔" ضبطِ نفس سے اِنسان کی خودداری بھی بڑھتی ہے۔ ایک کہاوت ہے کہ اپنی عزّت خود کرو ورنہ دوسرے بھی عزّت نہ کریں گے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا ہے کہ جو خود داری کو پروان چڑھاتا ہے وہ کبھی دوسروں کی نظر میں بے عزّت نہیں ہوتا۔

امریکی مصنّف تھامس جیفرسن نے کیا خوب کہا ہے کہ "ایک شخص کو دوسرے پر اِس سے زیادہ کوئی فضیلت نہیں کہ وہ ہر حال میں خوش وخُرم رہے۔" ضبطِ نفس سے اِنسان میں سب سے افضل صفت صبر کی پَیدا ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوُا ہے :-

یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا قف وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۵ (۳ : ۲۰۱)

ضبطِ نفس کا پَیدا کرنا درحقیقت ایک زبردست تعلیم ہے لیکن یاد رہے کہ اِس تعلیم کا صرف وہی حصّہ فائدہ مند ہوگا جس پر عمل کیا جائے۔ ضبطِ نفس کوئی انعام نہیں بلکہ ایک زبردست مجاہدہ ہے۔ ہم خود اپنی رُوح کے سنوارنے والے ہیں اور ہمارا قادرِ مطلق پیارا خدا ہمارا رہنما اور مددگار ہے۔

۶

عداوت

قرآن مجید میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (۵۹:۱۱)

خالص چوبیس کیراٹ کے سونے کی قیمت خالص چوبیس کیراٹ کے دِل کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ یہ بجا ہے کہ خالص سونے کا حاصل کرنا خاصا مشکل ہے لیکن دُنیا میں سونے کے مالک تو بہت ملیں گے لیکن خالص دِل والے بہت کم۔ عموماً مشاہدہ میں آیا ہے کہ لوگ رُوحانی طور پر ترقّی تو کرتے ہیں اور قابلِ تقلید ہیں پھر بھی شیطان کے اثر سے وہ محفوظ نہیں ہوتے۔

عداوت ذہن کی منفی حالت کا نام ہے۔ عداوت کی صورت میں اِنسان کے دِل میں دوسرے شخص کے لئے بُرے اِحساسات جنم لیتے ہیں۔ ایسا شخص بہت ہی نیک ہے جس کا دِل عداوت کے اِحساسات سے پاک ہے۔ یہ ایک شیطانی زہر ہے جو رُوح کی مقناطیسیّت کو ختم کر دیتا ہے۔ رُوحانی راستوں پر گامزن ہر شخص اپنے جسم اور رُوح پر اس کے بُرے اثرات سے آگاہ رہے۔ بانئ جماعت احمدیہ حضرت احمد علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"ہمیں اپنے دوستوں کی غلطیوں کو ہمیشہ نظر انداز کرنا چاہیئے
خواہ وہ غلطیاں کیسی بھی سنگین ہوں۔"

پھر فرمایا کہ :-

"کمینگی سے پرہیز کرو۔ دوسرے اِنسانوں کے ساتھ محبّت اور
ہمدردی سے پیش آؤ۔"

حضرت احمد علیہ السّلام کے مبارک دل میں کسی کے لئے عداوت نہ تھی۔ عداوت مندرجہ ذیل قِسم کے جذبات سے پیدا ہوتی ہے جیسے کہ غصّہ، اِنتقام، نفرت، خود غرضی، شک، غرور ـــــ ہمیں ایسے جذبات پر قابو پانا چاہیئے کیونکہ یہ سب عداوت کے سرچشمے ہیں۔ زندگی اپنے نفس کے خلاف جہاد ہی کا نام ہے۔ ایک مشہور پادری مسٹر بیچر MR. BEECHER کا کہنا ہے "مجھے بجائے کسی اَور کے اپنے ہی نفس کے مقابلہ کے لئے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔" عداوت کے بُرے اثرات سے بچنے کے لئے متواتر دُعا اور کڑی نظر لازمی امور ہیں اگرچہ ترقّی اِس معاملہ میں بہت سُست نظر آئے مگر انگریزی کا یہ مقولہ مدِنظر رہے کہ

SLOW AND STEADY WINS THE RACE

زندگی رُوح کو خالص بنانے کی تگ و دَو کا نام ہے اور چونکہ عداوت زندگی کو زنگ لگا دیتی ہے اِس لئے مومن کو اِس شیطانی دشمن کو فنا کر دینے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے۔

آئیے اَب اُوپر مذکورہ جذبات پر تھوڑی دیر کے لئے غور کریں جو عداوت کے پیدا ہونے میں ممد ہوتے ہیں :-

ناراضگی RESENTMENT

ناپسندیدہ خیالات دوسروں کے لئے دِل میں عداوت کو جنم دیتے ہیں ایسے خیالات کے پَیدا ہونے کی کئی ایک وجوہات ہیں۔بعض اَوقات ناپسندیدہ بات یا گفتگو یا فِعل سے عداوت پَیدا ہو جاتی ہے یا بعض اَوقات ایک شخص کے رجحان یا کردار سے بھی عداوت پَیدا ہو جاتی ہے چنانچہ ہوتا یہ ہے کہ ایسے شخص کے خیالات دوسروں کے بارہ میں ہمیشہ خراب ہوتے ہیں اور یہی خیالات دماغ کی مناسب پرورش میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔

اِنتقام

اِنتقام ایک گندے ذہن کی گندی خوشی کا نام ہے۔اِنتقام سے ذہن میں عداوت کی آگ بھڑکتی ہے۔اِس گندے ناسُور کو دماغ میں کبھی پَیدا نہ ہونے دو۔اس کی بیخ کنی اسی وقت کر دو جُونہی یہ جنم لے۔اِس دشمن کو شکست دینے کے لئے درج ذیل مقولوں پر غور کریں :۔

— سب سے اچھا اِنتقام درگذر ہے۔

— درگذر اور مُسکراہٹ بہترین اِنتقام ہے۔

— جب تجھے اِنتقام لینے کی طاقت ہو تو اِنتقام مت لے۔ (حضرت علیؓ)

— اے خدا ان کو معاف کر کیونکہ یہ نہیں جانتے کہ یہ کیا کر رہے ہیں۔

(حضرت عیسیٰؑ سُولی پر)

آغازِ اسلام میں عرب کے شہر مکّہ میں بُت پرست لوگوں نے مسلمانوں کو بہت ستایا اور ان پر ہزاروں مظالم ڈھائے چنانچہ اِس صورتِ حال کے پیشِ نظر حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ماننے والے مدینہ شہر کو ہجرت کر گئے۔ رفتہ رفتہ اسلام کا پیغام لوگوں میں قبولیّت حاصل کرنے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ وہ مکّہ واپس لوٹیں مگر اِس امّید میں پُورے دس سال لگ گئے۔ جب آپؐ واپس لوٹے تو آپؐ کے ساتھ دس ہزار افراد پر مشتمل لشکر تھا آپؐ چاہتے تو مکّہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے مگر آپؐ نے ہر ظلم کو جانتے ہوئے خون ریزی کی سختی سے ممانعت فرمائی اور درگذر و معافی کا سرچشمہ بن کر مکّہ میں داخل ہوئے سوائے چند ایک کے جنہوں نے سنگین جرائم کئے تھے ان کو مناسبِ حال سزا دی گئی باقی تمام شہریوں کو معاف کر دیا گیا۔ یہ تھی ہمارے پیارے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دِل کی وسعت اور فراخ دِلی۔ آپؐ نے کبھی انتقام نہ لیا۔ آپؐ کا دِلِ مبارک رحم اور ہمدردی اور انسانیّت کی محبّت سے بھرپُور تھا۔

حقارت

حقارت اور رُسوائی دراصل عداوت ہی کا دوسرا رُخ ہے۔ چاہے آپ کِسی شخص کے کردار سے کتنے ہی متنفّر ہوں مگر اس کے بارہ میں اچھے خیالات دِل میں رکھیں۔ حقارت سے دِل سخت ہو جاتا ہے۔

بیماریوں سے تو ہم میں سے ہر کوئی زندگی میں دوچار ہوتا ہے۔ ہزارہا لوگ بُری عادتوں سے اپنی صحت خراب کرتے ہیں۔ شراب نوش اور سگریٹ پینے والے ان میں

سے چند ایک ہیں۔ جسمانی بیماریوں کی طرح ہر شخص سوائے اللہ کے پیغمبروں کے رُوحانی بیماریوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ جس کی صحت اچھی نہ ہو اُس سے بُرا سلوک تو نہیں کیا جاتا اِسی طرح جو رُوحانی بیمار ہو اس سے بھی بُرا سلوک مناسب نہیں ایسے لوگوں کے لئے ہمدردی لازم ہے۔

غرور

عداوت غرور سے جنم لیتی ہے۔ جو شخص ذرا بھی مغرور ہو گا وہ دوسروں کے بارہ میں بُرا ہی سوچے گا۔ غرور خدا تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا (۱۷ : ۳۸) زمین پر مغرور بن کر نہ چلو۔ پھر ایک اَور جگہ فرمایا فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ (۱۶ : ۳۰) مغرور کا ٹھکانہ ہی بہت بُرا ہے۔ اِسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے روز مغرور لوگ اِس طرح اکٹھے کئے جائیں گے جس طرح بیج اکٹھے کئے جاتے ہیں۔ ذِلّت اور رسوائی اس روز ان کو چاروں طرف سے گھیر لے گی۔ پھر حضرت علیؓ کا قول ہے: وہ بُرے فعل جن سے تم شرمندہ ہو وہ ان نیک کاموں سے بہتر ہیں جن پر تم مغرور ہو۔

غرور ایسی مخفی قوّت ہے کہ بعض اَوقات نیک لوگ بھی دھوکہ میں اس کا اظہار کر دیتے ہیں اِس سے ہر وقت چوکس رہنا لازمی امر ہے ہاں جب دوسروں کا اور اپنا بھی محاسبہ کرو تو وقار اور غرور کو ایک نہ سمجھو کیونکہ ذاتی وقار کا ہونا ضروری ہے۔

ناپسندیدگی

کِسی شخص کا کردار، عادات اور رُجحانات آپ کو کتنے ہی ناپسند ہوں مگر دِل میں عداوت کو جنم نہ دو۔ مندرجہ ذیل مقولہ اِس بارہ میں قابلِ غور ہے:۔

کِسی سے نفرت نہ کرو ان کی بُری عادات سے نفرت کرو۔ (از برینارڈ)

مومن ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی محبّت اور خوشنودی کا طالب رہتا ہے۔ وہ ہمیشہ آسمان کی روشنی کا پرتَو بنتا ہے۔ اِس مصیبت بھری دُنیا میں وہ ذہنی سکون کا طالب ہوتا ہے جہاں کشیدگی ہوگی وہاں عداوت جنم لے گی۔ کشیدگی دِل کو جنگل کی آگ کی طرح بھسم کرتی ہے۔ عداوت سے بھرپُور خیالات دِل کو شیطانی زہر سے آلودہ کر دیتے ہیں۔ وہ شخص بہت ہی نعمتوں کا مالک ہے جو اپنے خیالات پر قابو رکھتا ہے۔

حَسد

حَسد عداوت کا ایندھن ہے۔ اِس کا زہر انسانی رُوح کی جاذبیّت کو ختم کر دیتا ہے۔ حسد ایک ایسا اِنسانی جذبہ ہے جو ہر انسان پر وقتاً فوقتاً تھوڑا بہت حملہ کرتا رہتا ہے۔ یہ جذبہ ایسا ہے کہ جس کا دِل میں داخل نہ ہونا غیر ممکن بات ہے اور جب یہ دِل میں داخل ہو جاتا ہے تو پھر اس کا نکالنا بھی بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ بائیبل میں لکھا ہے:۔

"حَسد قبر کی طرح خطرناک ہے۔ اس کے شعلے آگ کے شعلوں کی طرح ہیں اور اس کے شعلہ میں زبردست طاقت ہے۔" (سانگ آف سالومن ۸:۶)

محبّت اور حسد کا قریب کا رشتہ ہے کیونکہ جہاں محبّت ہوگی وہاں حسد بھی ہوگا محبّت اور حسد دونوں دل میں بہ یک وقت داخل ہوتے ہیں۔ دو افراد کے درمیان محبّت کا رشتہ کیسے پیدا ہوتا ہے اِس کی بظاہر کوئی وجہ نہیں محبّت بس یُونہی داخل ہوگئی حسد بھی بس یونہی لوگوں کے دلوں میں داخل ہو جاتا ہے اس کو آنے کی دعوت نہیں دیجاتی مومن اسے ہرگز پسند نہیں کرتا اور دُعا اور ذہنی ڈسپلن کے ذریعہ اس کا مقابلہ کرتا ہے اور جُوں جُوں اس کو کامیابی ہوتی ہے وہ آئندہ کے لئے بھی اس کے خلاف جہاد کیلئے تیاری کرتا ہے حتّٰی کہ وہ اپنی ذات کا مالک و آقا ہو جاتا ہے۔ اِس سلسلہ میں قرآن مجید میں مذکورہ مندرجہ ذیل دعا کتنی معنی خیز ہے:

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ؀ (۱۱۳ : ۶)

خود غرضی

دوسروں کی فلاح اور بہبود سے لاتعلّقی خود غرضی کی نشانی ہے۔ خود غرضی سے بیگانگی پیدا ہوتی ہے اور پھر عداوت پر مُنتج ہوتی ہے۔ اِسلام نے ہمسایہ کی اہمیّت اور اس سے حُسنِ سلوک کی بہت تلقین کی ہے۔ لاتعلّقی کا نام خود غرضی ہے اِسی طرح دوسروں کے بارہ میں غیر ذمّہ داری بھی خود غرضی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:۔

"خود غرضی تمام فطری اور غیر اخلاقی اعمال کی جڑ ہے۔" (EMMONS)

"خود غرضی دُنیا کا معروف ترین گناہ ہے۔"

SOUTHERN CHURCHMAN

یہ قدرتی بات ہے کہ انسان ہر شخص کی ہر بات نہیں مان سکتا لیکن اس کو دوسروں

کی خدمت کے لئے ہر موقع کی تلاش میں رہنا چاہیئے خواہ اِس سلسلہ میں خود کو کتنی ہی بے آرامی ہو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا قول ہے "دوسروں سے بہتر سلوک کرنا، مدد کرنا نیک اِنسان کی وسعتِ قلب کی علامت ہے۔"

غصّہ

اخلاقی قدروں میں سے ایک قدر یہ ہے کہ انسان اپنے جذبات کو ہمیشہ قابو میں رکھے اور ان پر کنٹرول کرے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ آپ کو حضرت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک پر سخت غصّہ آتا ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ غصّہ کا غیر ضروری موقع پر کنٹرول کتنا ضروری ہے کیونکہ غصّہ سے دِل میں فاسد خیالات پَیدا ہوتے ہیں جو عداوت ہی کی طرح ہے۔ غصّہ بھی بھڑکی ہوئی ذہنی حالت کا نام ہے۔ زرتشت علیہ السّلام نے فرمایا کہ "اپنی رُوح کی خوبصورتی کو غصّہ اور اِنتقام سے مت ہلاک کرو۔" اِس کے علاوہ مندرجہ ذیل مقولے بھی اِس ضمن میں سوچنے کے لائق ہیں:۔

— جذبات میں بہہ جانے والا شخص ایک جنگلی گھوڑے کی طرح ہے۔
(بنجمن فرینکلن)

— غصّہ پر قابو پانے کی کوشش کرو کیونکہ اس سے ہونے والے نقصان کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ (حضرت علیؓ)

ہر مومن اور رُوحانی سفر پر جادۂ مسافر کے لئے غصّہ دبانے کی ہدایت ہے۔ غصّہ میں انسان وہ بات کہہ جاتا ہے یا کام کر لیتا ہے جس سے وہ بعد میں پچھتاتا

ہے۔ بُرے الفاظ دل و دماغ پر اَنمٹ اثرات چھوڑ جاتے ہیں۔ یہ اثرات اِنسانی رشتوں کو توڑ دیتے ہیں۔ غصّہ سے دوست، خاوند، بیویاں، والدین اور اولاد اجنبی بن جاتے ہیں۔ چڑچڑا شخص خود بھی اور دوسروں کو بھی کبیدہ خاطر کر دیتا ہے۔ دراصل اس کو غصّہ کا بخار لاحق ہوتا ہے۔ نبیٔ اکرم حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر اور سکون کی یُوں تعریف کی ہے:۔

"اللہ تعالیٰ کو دو خشک سالیاں پسند ہیں ایک جو غصّہ کو پی لے اور دوسرے جو مصیبت کو آرام اور سکون سے سہہ لے۔"

شک

شک سے بہت سی غلط فہمیاں پَیدا ہوتی ہیں کیونکہ اکثر اَوقات شک صحیح نہیں ہوتا اِس سے اِنسان دوسروں کو غلط سمجھتا ہے جس سے افراد کے درمیان بُرے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ شک نیکی کا دوست نہیں بلکہ اچھے تعلقات اور خوشیوں کا دشمن ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوُا ہے:۔

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ (۴۹ : ۱۳)

انسان کو افواہوں کی اچھی طرح تحقیق کر لینی چاہیئے اور دوسروں کے بارہ میں اپنے ظنّ کے اظہار میں بہت احتیاط برتنی چاہیئے۔

جنّت میں کوئی عداوت نہ ہوگی۔ عداوت سے پاک دل خدا تعالیٰ کی ایک نعمت ہے۔ یہ دراصل جنّت کی ہی ایک علامت ہے کیونکہ اَولیاء اللہ بھی اس کے خلاف اِس دُنیا میں جہاد کرتے رہتے ہیں لیکن جنّت میں وہ اس کے مُضر اثرات سے بالکل

محفوظ ہوں گے۔ ارشادِ خداوندی ہے:۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ۝
وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝
لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ۝

(۱۵: ۴۶ تا ۴۹)

متّقی لوگ یقیناً باغوں اور چشموں والے مقام میں داخل ہوں گے۔ انہیں کہا جائیگا کہ تم سلامتی کے ساتھ ان میں بے خوف وخطر داخل ہوجاؤ اور ان کے سینوں میں جو کینہ وغیرہ بھی ہوگا اسے ہم نکال دیں گے۔ وہ بھائی بھائی بن کر جنّت میں رہیں گے اور تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے نہ ان میں کوئی تھکان ہوگی اور نہ انہیں ان میں سے کبھی نکالا جائے گا۔

۷

حصولِ تقویٰ اور صیام

قرآنِ مجید میں ارشاد ہوا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (۲ : ۱۸۴) خداوندِ کریم نے اس آیتِ کریمہ میں مسلمانوں کو یہ نصیحت کی ہے کہ وہ تقوایٰ کے حصول میں ایک دوسرے سے آگے بڑھیں کیونکہ تقوایٰ ہی ایک مثالی کردار کی خوبی ہے۔ پھر مسلمانوں کو تقوایٰ کے حصول میں ہمیشہ کوشاں رہنے کی نصیحت کی گئی ہے کیونکہ یہ خوبی خدا کی نگاہ میں سب سے اچھا ہونے کی دلیل ہے۔ قرآن کریم میں ایک اور جگہ ارشاد ہے اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (۴۹ : ۱۴) اللہ کے نزدیک تم میں باعزّت وہی ہے جو سب سے زیادہ متّقی ہے۔ تقویٰ کے حصول میں ہر مسلمان کو خلوصِ دل سے تگ ودَو کرنی چاہیئے۔ درحقیقت یہ رُوحانی صِفت ایک مقناطیسی قوّت کی مانند ہے جو اس قدر طاقتور ہے کہ اس کی چمک سے دِل بدل جاتے ہیں۔ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ جو تقوایٰ کو اپنا مطمحِ نظر بناتا ہے وہ سخت دل انسان کو نرم اور غیروں کو اپنا بنا لیتا ہے۔

روزہ کا اِسلامی نظام دراصل ایک رُوحانی مشق ہے جو متّقی بننے میں ممد ومعاون ہوتی ہے۔ قرآن حکیم میں مسلمانوں کو بار بار یہ نصیحت کی گئی ہے کہ وہ اپنے دلوں میں

تقویٰ کی رُوح کو پیدا کریں۔ چنانچہ ارشادِ ربّانی ہے:۔

یَاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ○ (۲ : ۲۲)

اے لوگو اپنے ربّ کی عبادت کرو جس نے تمہیں بھی اور انہیں بھی جو تم سے پہلے گذرے ہیں پیدا کیا تاکہ تم آفات سے بچو۔ یاد رکھو بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔ روزے اِنسان کو تقویٰ کی طرف لے جاتے ہیں بشرطیکہ روزہ کی حالت میں انسان رُوحانی ترقّی پر آمادہ رہے۔ چاہت ہی وہ قوّت ہے جو انسان کو اس کے حصولِ مقصد کی طرف لے جاتی ہے اور پھر چاہت کے ساتھ اگر عزم بھی مل جائے تو پھر انسان کو اس کے مقصد حاصل کرنے میں ماسوائے خدا کے دُنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ دیکھو پہاڑ پر کوئی اِنسان ایک سانس میں نہیں چڑھ سکتا اور نہ ہی خدا کا ایک فرمانبردار بندہ متواتر روزے رکھنے سے یک دَم رُوحانی پاکیزگی حاصل کر سکتا ہے اِنسان کو یہ کام رفتہ رفتہ منزل بہ منزل کرنا چاہیئے۔

ہر نفلی روزہ رکھنے سے قبل انسان کو یہ عزم کرنا چاہیئے کہ وہ روزہ کے مکمّل ہونے پر پہلے سے زیادہ متّقی بن چکا ہوگا۔ ایک شخص اگر اِس عملی طریقِ کار کو اپنائے تو روزہ کی برکات سے زیادہ مُستفید ہوگا۔ سوال پَیدا ہوتا ہے کہ روزہ رکھنے سے انسان کس طرح زیادہ متّقی بن سکتا ہے؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ بعض روزے حقیقی روزے ہوتے ہیں اور بعض صرف نام کے۔ نہ کھانے پینے سے اس وقت تک کوئی رُوحانی فائدہ نہ ہوگا جب تک کہ روزہ کی حقیقی رُوح دِل میں پَیدا نہیں ہوتی۔ اکثر مسلمان روزہ صرف عادت سے مجبور یا روایت کے طور پر رکھتے ہیں۔ اگر ایسے شخص سے پوچھا جائے کہ

روزہ کیوں رکھتے ہو تو جواب دیتے ہیں خدا کا حکم ہے جبکہ وہ خدا کے دوسرے احکامات کو نظر انداز کر رہے ہوتے ہیں مثلاً شراب پینا، جوأ کھیلنا، سُودی کاروبار کرنا، نماز نہ پڑھنا وغیرہ۔ اگر ایسے شخص میں ذرا بھی اسلامی رُوح کا مادہ ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرے گا نہ کہ صرف روزوں پر، ایسے شخص کی زندگی میں روزہ کوئی انقلاب نہیں لائے گا اور نہ ہی وہ متّقی بن سکے گا حالانکہ متّقی بننا ہی روزہ کا بنیادی مقصد ہے۔

رمضان المبارک روزوں کا مقدّس مہینہ ہے۔ یہ ایسا مقدّس مہینہ ہے جس میں خدا تعالیٰ نے ان لوگوں پر جو روزے رکھتے ہیں اپنی برکات نازل کرنے کا وعدہ فرمایا ہے ایسے لوگ روزوں کے ساتھ ساتھ خدا کی رضا حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں اور دُعا اور اعمالِ صالحہ سے خدا تعالیٰ کی نصرت و تائید کے طلبگار ہوتے ہیں۔

روزہ کے اَوقات میں روزہ دار کو نہ صرف کھانے پینے سے پرہیز لازم ہے بلکہ اس کو غصّہ، غیبت اور ہر قسم کی دوسری بُری باتوں سے بھی بچنا چاہیئے۔ انسان کو اپنی زبان کی حفاظت شیطان کے حملوں سے کرتے رہنا چاہیئے مگر رمضان المبارک کے ایّام میں اِس کا خاص خیال رکھنا چاہیئے کیونکہ یہ وہ ایام ہیں جن میں ہر پُرخلوص کوشش کا بدلہ اللہ تعالیٰ زیادہ سے زیادہ دیتا ہے۔

ہر قسم کا گناہ شیطانی ترغیبات سے اپنے آپ کو نہ بچانے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ روزہ سے ضبطِ نفس کی قوّت بڑھتی ہے اور یُوں انسان شیطانی حملوں سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو قلعہ بند کر لیتا ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ان لوگوں کو اپنا خاص انعام دیگا جو اس کے مشکور ہوں گے وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ (۳ : ۱۴۵) رمضان کا مہینہ ایک ایسا مہینہ ہے کہ اس میں انسان خدا کی نعمتوں کا طالب ہوتا ہے۔ یہ ایک سُنہری موقع ہے

کہ انسان خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کرے۔ شکر سے اِنسان صدقہ زیادہ دیتا ہے جو کہ ایک اَور اسلامی صِفت ہے جس پر روزہ کے دَوران زیادہ فراخ دِلی سے عمل کرنا چاہیئے۔ روزہ سے اِنسان کے دل میں اپنے ان بھائیوں کے لئے زیادہ اِحساس پیدا ہوتا ہے جو ہم سے کم خوش نصیب ہیں یا مصیبت زدہ ہیں۔

اگرچہ ہر نیکی قابلِ تعریف ہے لیکن زیادہ قابلِ تعریف نیکی صبر ہے۔ یہ اپنے اُوپر کنٹرول پَیدا کرنے کے راز کی کلید ہے اور یہی جسمانی اور رُوحانی میدانوں میں کامیابی کا گُر ہے قرآن پاک نے اِس بُنیادی صِفت کو اپنانے کی نصیحت فرمائی ہے کیونکہ اِس صِفت کے بغیر تقویٰ کی عمارت صحیح طور پر تعمیر نہیں ہو سکتی۔ صبر وہ راہ ہے جس پر خدا کی نعمتیں ملتی ہیں۔ قرآن پاک میں ذکر ہے :۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (۲ : ۴۶)

پھر ایک اَور جگہ ارشاد ہے :۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (۳ : ۲۰۱)

بے صبری کی مثال جسم میں کانٹا چُبھنے کی طرح ہے۔ بے صبری سے انسان کا توازن بِگڑ جاتا ہے اور اعصابی نظام میں گڑبڑ پَیدا ہو جاتی ہے۔ بڑی بڑی نیک ہستیوں میں بھی بعض دفعہ بے صبری کا نمونہ نظر آتا ہے اور وہ بچّوں کی طرح بِگڑ جاتے ہیں اور لڑائی جھگڑے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ روزہ سے اِنسانی جذبات پر قابو پانے اور صبر پَیدا کرنے کا موقع ملتا ہے۔ بہت سے لوگ غصّہ اور بے چینی سے اپنی زندگیاں خراب کر لیتے ہیں اِس کے برعکس صابر شخص کو سکونِ قلب حاصل ہوتا ہے اور وہ اپنی رُوحانی

طاقت کے بل بوتے پر باعزت نظر سے دیکھا جاتا ہے کیونکہ وہ متّقی بن جانے سے خدا کے نزدیک تر ہو جاتا ہے۔

6

روزہ کے دوران نماز اور دُعا کی طرف بھی خاص توجہ دینی چاہیئے کیونکہ دُعا ہی خدا اور بندے کے درمیان براہِ راست رابطہ ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اُدْعُوْنِیٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (۴۰ : ۶۱) خدا نے جب روزہ کا مقصد متّقی بننا ٹھہرا دیا ہے اور روہ دُعا کو سُنتا ہے تو پھر اِنسان کو اعلیٰ درجہ کا متّقی بننے کے لئے خاص دُعا کرنی چاہیئے خدا تعالیٰ یقیناً اس کی دُعا کو سُنے گا اور اِنسان خوش ہو گا کہ اسے رُوحانی ترقی نصیب ہوئی ہے جو کہ روزہ کا مقصد ہے۔ روزہ سے اِنسان اپنے اندر بہتری کے لئے ایک تبدیلی محسوس کرے گا اور دیکھے گا کہ کس طرح روزہ اسے متّقی بننے میں مُمد ثابت ہوتا ہے۔

صبر ایمان کا بُنیادی حِصّہ ہے جس کے بغیر کوئی تقویٰ کی راہ پر زیادہ دیر تک نہیں چل سکتا۔ روزہ انسان کی تربیت کرتا ہے کہ بھُوک، پیاس اور تھکاوٹ کے باوجود روزہ آخری لمحہ تک رکھا جائے۔ اپنی تربیت کرنے سے صبر کا مادہ بڑھ جاتا ہے کیونکہ یہ وہ طاقت ہے جو راستہ کی تمام رکاوٹوں کو دُور کرتی ہے اور اِنسان طوفانوں میں بھی خدا کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑے رکھتا ہے۔ قرآن مجید میں آیا ہے:-

وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجٰھِدِیْنَ مِنْکُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَکُمْ ۝ (۴۷ : ۳۲)

پھر ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:-

وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْحَظٍّ عَظِيْمٍ ٥

(۴۱ : ۳۶)

صبر سے متعلق ایک اَور آیت یہ ہے :-

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ٥ (۱۰۳ : ۳)

روزے ہمیں ایمان کے اس لازمی حِصّہ کی طرف توجّہ دلاتے ہیں جس کا نام صبر ہے۔ باوجود جسمانی تکلیف کے روزہ کو آخر وقت تک رکھنا لازم ہے سوائے اِس کے کہ کوئی یکلخت بیمار ہو جائے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تقوٰی کی غذا ہی صبر ہے۔

حالات کے مطابق یعنی موسم یا دِن کے اَوقات کے مطابق بعض دفعہ روزہ رکھنا مشکل یا آسان ہوتا ہے۔ بعض لوگ اپنی جسمانی حالت کی بناء پر روزہ بہ نسبت دوسروں کے زیادہ محسوس کرتے ہیں۔ روزہ کے دَوران سختی کو مُسکراتے ہوئے سہنا ہی رُوحانی پختگی کی علامت ہے ہمیں سختی سہنے کے لئے دماغی طور پر ہر وقت تیار رہنا چاہیئے کیونکہ یہ زندگی کا ایک حِصّہ ہے۔ آیتِ کریمہ پر غور فرمائیں :-

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ ٥ (۹۰ : ۵)

کامیاب روزوں کی وجہ سے اِنسان جسمانی اثرات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اس سے جسم ہلکا پُھلکا اور رُوح میں بالیدگی پَیدا ہوتی ہے۔ انسان اِس دُنیا سے پار فرشتوں کے ساتھ اُڑتا ہؤا محسوس کرتا ہے۔

روزہ ہمیں یہ سبق سکھلاتا ہے کہ دماغ جسم پر حاوی رہے نہ کہ جسم دماغ پر۔ اِس کتاب میں پہلے بھی یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ جیسے اِنسان سوچتا ہے ویسے ہی وہ ہو جاتا ہے۔ متّقی بننے کے لئے ذہن میں نیک خیالات پَیدا کرنے چاہئیں۔ دُعا، اچھا مطالعہ

اور نیک گفتگو بھی متقی بننے کے لئے چند مفید گُر ہیں۔

بُری عادات رُوحانی ترقّی کی دشمن ہیں انسان کبھی ان کا غلام نہ بنے انہیں جلدی سے جلدی ترک کرے ورنہ یہ انسان کو ترقی نہ کرنے دیں گی جیسے ایک غبارہ دھاگے کے ساتھ بندھا ہو۔ روزہ سے بُری عادات مثلاً سگریٹ نوشی، تمباکو کھانا، ٹیلی ویژن، سُستی، بَدکلامی، فضول خرچی، پُرخوری اور اسی طرح کی دوسری بُری عادات ترک کرنے میں مدد ملتی ہے۔

⑧

رُوحانی ترقّی کے چھ دُشمن

انگریزی زبان کی ایک نہایت دلچسپ اور موزوں نظم کا ترجمہ پڑھیے ؎

یہ جیون نام ہے ایک پوتر بُوجھے کا تُو اس کی جانب دیکھ
اسے اُٹھا اور پھر اسے برداشت بھی کر
کھڑے ہو جاؤ اور اسے استقلال سے سہارو
غموں کی وجہ سے بے دِل نہ ہو اور
گناہوں کے باعث لڑکھڑا نہ جاؤ
چلو اور بڑھو اور بڑھتے ہی چلے جاؤ تا منزل کو پالو

زندگی کا مقصد بہت ہی عظیم ہے اور عام انسان کی پہنچ سے باہر نہیں۔ ایک مومن کا مقصدِ حیات طہارت اور تقوٰی کے اعلیٰ ترین مدارج طے کرنا ہونا چاہیئے۔ قرآنِ مجید میں ارشاد ہے :-

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (۴۹ : ۱۴)

قرآن ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے جن میں مسلمانوں کو تقوٰی اختیار کرنے کی نصیحت کی گئی ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہُوا ہے :-

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۔ (۷ : ۲۷)

اے آدم کی اولاد ہم نے تمہارے لئے ایک ایسا لباس پیدا کیا ہے جو تمہاری چھپانے والی جگہوں کو چھپاتا ہے اور زینت کا موجب بھی ہے اور تقویٰ کا لباس تو سب سے زیادہ بہتر ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ

(۴ : ۱۷۴)

پھر جو لوگ مومن تھے انہوں نے نیک اور مناسبِ حال عمل کئے تھے انہیں وہ ان کے پورے پورے بدلے دے گا۔

ہر مسلمان کی یہی خواہش ہونی چاہیئے کہ وہ تقویٰ کا لباس اوڑھ لے کیونکہ یہی قرآن کا پیغام ہے۔ یہ رُوحانی تمغہ یا ٹرافی ایک چمک دار ہیرے کی مانند ہے جو برف بھری پہاڑ کی چوٹی پر چمکتا ہے۔ بہت تھوڑے ہیں جو اتنی بلندی پر جا سکیں اور اس اِنعام کو حاصل کر سکیں کیونکہ راستہ پھسلنے والا اور ڈھلوان ہے۔ تقویٰ رضاءِ اِلٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کا نام ہے تا اِنسان کا ہر خیال، ہر لفظ اور ہر فعل صرف اور صرف خدا کی شان بیان کرنے کے لئے ہو۔

وہ نیک اِنسان جو تقویٰ کی روشنی سے بہرہ ور ہوتا ہے وہ دوسرے انسانوں سے بالکل مختلف ہوتا ہے اس کے چہرہ پر کسی اَور دُنیا کے دریچوں سے روشنی چمکتی ہے اور اس کا کردار رُوحانی شوکت اور کشش سے رنگین ہوتا ہے۔ اس کے گرد

فضاء نہایت میٹھی اور موسمِ گرما کی کسی سہانی شام کی مہکتی ہَوا سے زیادہ تازہ ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام انسانوں پر اپنا فضل نازل کرنا چاہتا ہے نیز وہ اپنی تجلّیات ہمارے ہی ذریعہ دکھانا پسند کرتا ہے لہٰذا خدا کے ایک عاجز بندے کو اِس کیلئے کوشِش کرنا اور اپنے آپ کو اہل ثابت کرنا لازم ہے۔ اگر وہ اس آسمانی مائدہ کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو حضرت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر ایک شخص خدا کی طرف ہلکے قدموں سے چل کر جاتا ہے تو خدا اس کی طرف سُبک خرامی سے آتا ہے اور اگر انسان چل کر جاتا ہے تو پھر خدا تعالیٰ اس کی طرف دوڑ کر آتا ہے۔ اور یہ بھی ذہن نشین رہے کہ خدا تعالیٰ ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔

اِسلام کے مضبوط قلعہ پر شیطانی میزائل لگا تار حملہ آور ہیں بایں وجہ ہم اِس جگہ چھ مُہلک میزائلوں پر تبصرہ کریں گے جن پر ہمیں قابو پانا ہے۔ خواہ جنگ کیسی بھی سخت ہو اِس رُوحانی جہاد میں ہمیں خدا کا یہ وعدہ بہت سکون بخشتا ہے :-

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ اَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ٥

(۴۷ : ۱۲)

کہ اللہ اُن لوگوں کا دوست ہے جو اس پر یقین رکھتے ہیں۔

آیت مذکور میں کِن ایمان والوں کا ذکر کیا گیا ہے ؟ یہ وہ ایمان والے ہیں جو اس کی راہ میں کوشِش کرتے ہیں اور منصب والوں کی اطاعت کرتے ہیں اور خدا کے حضور عاجزی اختیار کرتے ہیں اور اپنے دِلوں سے خود غرضی اور فخر نکال دیتے ہیں ان کے دلوں میں یہ خواہش آگ کی طرح جلتی ہے کہ وہ ہر بُرائی سے پاک ہوجائیں اور اگر وہ غلطی سے یا نادانستہ طور پر کوئی ناپسندیدہ فعل کر لیتے ہیں تو ان کی رُوح

اس کیئے پر نادم ہوتی ہے۔

ہر زمانہ نے ایسے عظیم انسان پیدا کئے ہیں جو کامیابی کی چوٹی پر صرف اور صرف صبر و استقلال کے ذریعہ پہنچے۔ ان عظیم رہنماؤں میں سے بعض تو بہت ہی کم تعلیم یافتہ تھے اور ان کا بچپن انتہائی غربت میں گذرا لیکن اس کے باوجود بعض قوم کے رہنما بنے یا انہوں نے صنعتوں اور ایجادات میں نام پیدا کیا۔ ان لیڈروں میں سے کئی ایک کروڑپتی بن کر مرنے۔ انہوں نے اپنی اندرونی صلاحیتوں کو زبردست طریق سے اُبھارا اور اپنے میدان میں اوّل درجہ کے اِنسان بنے۔ ان کا مطمح نظر اگرچہ صرف اِس دُنیا تک محدود تھا اور اگر وہ اپنی توجہ رُوحانی امور کی طرف مبذول کرتے اور تمام قوّت اپنی رُوح کی پرورش اور تزکیہ پر لگاتے تو عظیم الشّان رُوحانی کامیابی حاصل کرسکتے تھے۔ ایسے لوگ عظیم رُوحانی لیڈر بن سکتے تھے۔ اِسلام انسان کو بیشمار روحانی مواقع فراہم کرتا ہے وہ شخص کیسا بیوقوف اور کوتاہ بین ہے جو ان سے فائدہ نہیں اُٹھاتا اور اِس دُنیا کی آسائشوں کو ترجیح دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۙ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ؕ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۖ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ؕ (۸۷ : ۱۵ تا ۱۸)

جو پاک بنے گا وہ یقیناً کامیاب ہوگا بشرطیکہ پاک بننے کے ساتھ ساتھ اُس نے اپنے رب کا نام لیا اور نماز پڑھتا رہا مگر اے مخالفو تم لوگ تو ورلی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت کہیں بہتر اور دیرپا ہے۔

ہر مسلمان کو اِس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ ہمیشہ مضبوط سے مضبوط تر

ہوتا چلا جائے نہ کہ مضبوطی سے کمزوری کی طرف جائے جو کہ بد قسمتی سے اکثر ہو جاتا ہے
نوجوان مسلمان اور نومسلمان بعض ایک نئے دین کے ساتھ بہت خوشی سے تعلق پیدا
کرتے ہیں لیکن جُوں جُوں وقت گذرتا جاتا ہے وہ کمزور ہوتے جاتے ہیں۔ ایک مومن
کا یہ مقصد ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی جگہ پر قائم رہے اور اپنی زندگی میں تواتر کے ساتھ اپنے
ایمان میں ترقّی کرتا چلا جائے ایسا مسلمان کبھی ایک جگہ نہ ٹھہرے بلکہ ہمیشہ نئے اُفق کی
تلاش میں رہے بعض اَوقات ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ترقّی پذیر نہیں ہے ممکن ہے
یہ حقیقت میں درست نہ ہو ہاں بعض اَوقات اسے ہوشیار رہنا پڑتا ہے اور اللہ کی
رسّی کو مضبوطی سے پکڑنا پڑتا ہے۔ ڈیل کارنیگی جس نے "ذاتی پرورش" پر کئی ایک
کتابیں تحریر کیں وہ کہتا ہے کہ بعض اَوقات انسان پر حقیقت جھٹکوں کی طرح ظاہر ہوتی
ہے نہ کہ رفتہ رفتہ۔ بعض دفعہ انسان کو کسی بات کا احساس ہو جاتا ہے اور وہ فوراً
رُوحانی ترقّی کے بلند مدارج سے آگاہ ہو جاتا ہے یہ بات رُوحانی ترقّی کے ضمن میں
بھی صحیح ہے۔

رُوحانی مسافر کو شیطانی جراثیم لگاتار تنگ کرتے رہتے ہیں۔ مندرجہ ذیل چھ منفی
اثرات عموماً مُہلک ترین رُوحانی سرطان ثابت ہوتے ہیں :۔

۱۔ چڑچڑاپن ۲۔ کاہلی ۳۔ تکبّر ۴۔ حسد ۵۔ خوف
۶۔ اللہ تعالیٰ کی بجائے اپنوں سے پیار۔

چڑچڑاپن

بنجمن فرینکلن کا قول ہے کہ "جذبات میں بہہ جانے والا انسان پاگل گھوڑے سے

پر سوار ہے۔" نوعِ انسان کی ایک مُہلک ترین مرض چڑ چڑاپَن ہے ہاں وہ جن کو رُوح القدس نے بیماریوں سے صاف کیا ہے وہ اِس مرض سے محفوظ رہتے ہیں جو اِس دُنیا میں بہت تھوڑے ہیں۔

ایک مثالی گھر سلامتی کا مرقّع ہوتا ہے جبکہ ایک فسادی گھر اِس دُنیا میں ہی جہنّم کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ جو اپنی بیوی اور بچّوں کے ساتھ چڑ چڑے پَن کا مظاہرہ کرتا ہے اور دوسروں کے ساتھ امن سے نہیں رہ سکتا وہ بیمار ہے لہٰذا ایسے شخص کو عہد کرنا چاہیئے کہ وہ اپنی زبان کو لگام دے گا اور یُوں دوسرے انسانوں کے ساتھ اس کے تعلّقات بہتر ہوتے چلے جائیں گے۔

بانیٔ جماعت احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے فرمایا ہے کہ اکثر لوگ دیکھنے میں بظاہر اچھے نظر آتے ہیں لیکن اندر سے خونخوار بھیڑیوں کی طرح ہوتے ہیں۔ بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو رُوحانی طور پر عالم اور فاضل سمجھے جاتے ہیں اور خصوصاً جب وہ اپنے مدّاحوں میں گھرے ہوتے ہیں لیکن جب ان کو غصّہ آتا ہے تو لال بھبوکے ہو جاتے ہیں اور سخت و گندے الفاظ ان کے مُنہ سے نکلتے ہیں جس سے وہ لوگ بھی پریشان ہو جاتے ہیں جن کی نظر میں وہ معزّز ہوتے ہیں۔

اگرچہ بعض مواقع پر غصّہ جائز ہے لیکن اس پر کنٹرول رکھنا بہت لازم ہے۔ جس طرح سوار اپنے گھوڑے کی رہنمائی کرتا ہے اور اس پر کنٹرول رکھتا ہے اسی طرح انسان کو اپنے غصّہ پر قابو رکھنا چاہیئے اور جب ضرورت ہو اسے فوراً روک لے۔ غصّہ کی صورت میں ایک گُر تھامس جیفرسن نے بیان کیا ہے کہ "جب غصّہ میں ہو تو بات کرنے سے پہلے دس تک گنو۔"

غصہ، ناراضگی اور تمام ایسے منفی مُوڈ اِنسانی توانائی کو بہت تیز رفتاری سے ضائع کر دیتے ہیں یہاں تک کہ اِنسان جسمانی اور دماغی طور پر نحیف ہو جاتا ہے یا بعض دفعہ اعصابی کمزوری میں مُبتلا ہو جاتا ہے۔ یاد رہے کہ وہ کام جو آرام سے نہ کیا جائے یا وہ خیال جو سکون نہ دے وہ بھی اِنسانی توانائی کو ضائع کرتا ہے اور بعض دفعہ ذہنی توازن کو بگاڑ دیتا ہے اور یہ رُوحانی ترقّی اور پرواز میں ہرگز مُمد نہیں۔

وقتی جوش ایک کمزوری ہے اور سکون توانائی۔ اِن ۲ طاقتوں کا آپس میں ملنا ہی رُوحانی سکون کا موجب ہوتا ہے۔ سکون سے انسانی مقناطیسیّت پیدا ہوتی ہے جو دوسری تک پہنچتی ہے۔ اِس کے برعکس چڑچڑاپن سے جسم کی توانائی خارج ہوتی ہے جس کا بہتر استعمال کِسی اَور جگہ ہو سکتا تھا۔ کسی شخص کے بڑے ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ایسے وقت میں پُرسکون رہے جبکہ وہ بُرے مُوڈ میں ہو۔

چڑچڑاپن دماغ، دل اور رُوح کا سرطان ہے اگر اِس کا خیال نہ رکھا جائے تو یہ اپنے شکار کو رُوحانی طور پر نیست و نابود کر دے گا۔ بَدمزاج جورُو اور جھگڑالُو خاوند مِل کر بھُوتوں کی جوڑی بن جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ عورتیں مَردوں کی نسبت زیادہ حسّاس ہوتی ہیں لیکن بعض اَوقات اِس کے برعکس ہوتا ہے بےچاری بیوی بیٹھی خاموش روتی رہتی ہے اور غصیلا خاوند اپنی ۲ دھاری زبان سے اس کو سُولی پر چڑھائے رکھتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے ایک دفعہ فرمایا کہ یہ بات نہایت ہی قابلِ شرم ہے کہ ہم مَرد ہوتے ہوئے عورتوں سے جھگڑا کریں۔

بانیٔ جماعت احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب حلیمی و صبر کا حسین مرقّع تھے۔ آپ کی گھریلو زندگی جنّت معلوم ہوتی ہے۔ آپ کے گھر میں شانتی اور صُلح کا راج تھا۔

بچّوں کی شرارتوں اور اُودھم کے باوجود آپ کے مُنہ پر کبھی سخت کلمہ نہ آیا۔ آپ جب کبھی اہم تصنیف میں مصروف ہوتے تو آپ نے بچّوں کو کبھی نہ ڈانٹا۔ ایک دفعہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب نے آپ سے دریافت فرمایا کہ آپ اِتنے شور وغُل میں کیسے سوچتے اور کام کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا "میرے گِرد وپیش جو ہو رہا ہوتا ہے مَیں اس کی طرف توجہ ہی نہیں دیتا اِس لئے مَیں مُخِل نہیں ہوتا۔" حضرت مولوی صاحب نے یہ بات بھی حضور ہی کے متعلق بیان کی ہے "میرے حضور کے ساتھ اِتنے پُرانے اور قریبی تعلّقات کے دَوران مَیں نے آپ کو کِسی کے ساتھ خفا ہوتے یا بازپُرس کرتے نہیں دیکھا۔"

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی ساری زندگی جنّتی روشنی سے پُرنور تھی اور یہی روشنی اُن لوگوں کے چہرہ کو روشنی دے گی جو آپ جیسا بننا پسند کریں گے لیکن یہ روشنی مدھم رہے گی جب تک چڑچڑاپَن ان کی ساری زندگی پر حاوی رہے گا طمانیّت کے ہر خواہشمند راہرَو کو اِس سے آگاہ رہنا چاہیئے اور اس پر قابو پانا چاہیئے۔ جِدّوجُہد خواہ کتنی بھی سخت ہو اس کا اِنعام انمول ہے۔ بدکار، بدطینت، شرابی انسان بھی خدا کے نیک بندے بن گئے۔ زندگی بھر سگریٹ نوشی کرنے والوں نے تمبا کو نوشی چھوڑ دی۔ جاہل اَولیاءاللہ بن گئے لہٰذا چڑچڑے پَن کے لئے عُذر تلاش کرنے کی کوئی وجہ نہیں اِس پر قابو پایا جاسکتا ہے بشرطیکہ انسان خلوصِ دِل سے کوشش کرے اور خدا تعالےٰ کی طرف رجوع کرے۔ جہاں عزم ہوگا وہاں اُمّید کا راستہ نکل ہی آئے گا۔ تمام کام عقل کے دائرہ کے اندر ممکن ہیں۔ مثبت سوچ اِنقلابی قوّت ہے جو دُعا کے ساتھ مل کر زبردست طاقت بن جاتی ہے۔

ایک رُوحانی راہرَو کا فائدہ اِسی میں ہے کہ وہ چڑچڑے پَن سے بچے اور اس پر

قابُو پائے کیونکہ یہ خصلت تقدّس اور نیکی کی رُوح کے خلاف ہے۔ ایک بیماری کے علاج کے لئے اچھا ڈاکٹر اس کی وجہ جاننا چاہتا ہے اور پھر اس وجہ کا علاج کرتا ہے مومن کو بھی اِس بات کی تلقین کی جاتی ہے۔ چڑچڑے پَن کی بہت سی وجوہات ہیں اور اس میں سے ایک وجہ کھانے پینے کا طریق ہے۔ بعض ایسے ہیں جو تھوڑی بھُوک لگنے پر بہت زیادہ کھاتے اور اپنے اعصاب پر بوجھ ڈالتے ہیں۔ اکثر ایسی غذا کھاتے ہیں جو جسم کے لئے مُہلک ہوتی ہے پھر وہ اپنے اعصاب کو آرام پہنچانے کے واسطے اعصابی گولیوں کیلئے مَرے جاتے ہیں اور جب ایسی گولیاں نہیں ملتیں تو پھر چڑچڑا پن آ دباتا ہے۔ چائے اور کافی نوشی تو قومی عادت بن چکی ہے۔ اگرچہ دونوں میں کوئی غذائیّت نہیں پھر بھی عورتیں گھر بیٹھی اَن گنت چائے کی پیالیاں پی جاتی ہیں اور پھر حیران ہوتی ہیں کہ ان کے اعصاب کیوں کمزور ہیں۔ اِس کے علاوہ تمباکو ہے جو بالکل زہر ہے اِس کا جسم اور اعصاب پر بہت مُضر اثر ہوتا ہے حتّٰی کہ رُوح بھی اِس کے مُہلک دُھوئیں سے بچ نہیں سکتی۔ سگریٹ پینے والے اور تمباکو چبانے والے دونوں کمزور اعصاب سے زندگی گزارتے ہیں اور پھر مستقل چڑچڑے پَن کے مریض ہو جاتے ہیں۔ اپنی زندگی کا خود مالک و آقا ہونا روحانی ترقّی کی کلید ہے اور یہ مقولہ بالکل صحیح ہے کہ جو اپنے اُوپر فتح پا لیتا ہے وہ اُس شخص سے بہت زیادہ عظیم ہے جو ایک شہر پر فتح حاصل کر لیتا ہے۔

جب انسان چڑچڑا ہوتا ہے تو بعض اُوقات ایسی بات موقع کی نزاکت کو نہ سمجھتے ہوئے کر ڈالتا ہے جو بعد میں پشیمانی کا باعث بن جاتی ہے۔ یاد رکھو غیر محتاط الفاظ اور بُرے افعال واپس نہیں جا سکتے۔ سخت الفاظ دوسروں کے دلوں پر کبھی نہ مٹنے والے اثرات چھوڑ جاتے ہیں۔ بے احتیاطی سے کہی ہوئی بات اچھے سے اچھے دوست، خاوند

بیوی، والدین اور بچّوں کو اجنبی بنا دیتی ہے۔ وہ دھاگہ جو انسانی رشتہ کو آپس میں باندھے ہوئے ہے وہ نہایت نازک ہے یہ دھاگہ بہت جلد استعمال ہو کر ٹوٹ جاتا ہے میرے ذہن میں اس میاں بیوی کا قصّہ آتا ہے جنہوں نے اپنی پچّاس سالہ شادی کی رسم منائی اور پھر ایک ہفتہ بعد طلاق کے لئے مقدّمہ داخل کر دیا۔

چڑچڑا شخص اِس دُنیا میں ہی جہنّم کی آگ میں زندگی گزارتا ہے اور جو اَولیاءاللہ کے ساتھ چلنا چاہتا ہے اسے اپنے جذبات پر قابو پانا ہوگا اور چڑچڑاپَن یقیناً اِن میں سے ایک ہے۔

سُستی اور کاہلی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَللّٰھُمَّ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ یعنی اے اللہ مَیں تجھ سے سُستی سے پناہ مانگتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ سُستی ہر کام میں ترقّی کو روکتی ہے اور رُوحانی امور میں بھی یہ بات مُستثنٰی نہیں۔

نیند اور آرام صِحت اور مُستعدی کے لئے لازم ہیں۔ آٹھ گھنٹے روزانہ کی نیند بہت مناسب ہے مگر بعض ایک اِس سے بھی کم سوتے ہیں۔ دُنیا کے کئی ایک ذہین و فطین انسان آدھی آدھی رات تک کام میں مشغول رہتے ہیں۔ نپولین کا قول ہے کہ چوبیس گھنٹے میں سے بیس گھنٹے صحیح کام کرنا اشد ضروری ہے۔ اس نے لمبی زندگی پائی اور اپنی زندگی میں کئی ایک زبردست کارنامے بے آرامی اُٹھا کے سرانجام دیئے۔ مندرجہ ذیل واقعہ اِسی بات پر دلالت کرتا ہے:

ایک فوجی افسر آدھی رات گذرنے کے چند گھنٹے بعد کوئی خبر دینے نپولین کے کمرہ

میں گیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ نپولین وردی میں ملبوس نقشوں، کتابوں اور چارٹ سمیت بیٹھا ہوُا ہے۔ افسر نے پُوچھا "کیا آپ ابھی تک سوئے نہیں ؟"۔ "سونا" نپولین نے جواب دیا " مَیں سو کے اُٹھ بھی چکا ہوں جناب"۔ افسر نے حیرانگی سے پھر دریافت کیا "کیا کہا آپ نے سو کے اُٹھ بھی گئے"۔ نپولین نے جواب دیا " ہاں دوست۔ اتنی جلدی اُٹھ گیا۔ دو یا تین گھنٹہ کی نیند ہر کسی کے لئے کافی ہے"۔

رُوحانی دُنیا میں بھی بعینہٖ انبیاء اور اَولیاء اللہ اپنی راتیں اللہ جلّ شانہٗ کی عبادت میں گذارتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے ایک دفعہ فرمایا " کس نے ہمارے دوستوں سے یہ کہا ہے کہ زندگی لمبی ہے۔ موت کا کوئی موسم نہیں یہ کسی بھی وقت آ سکتی ہے لہٰذا ہمیں اپنے وقت کی قیمت جاننی چاہیئے یہ وقت دوبارہ نہیں آئے گا صرف قصّے اور کہانیاں باقی رہ جائیں گی"۔

حضرت مسیح موعود کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے اِس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ اتنا وقت بیت الخلاء میں ضائع ہو جاتا ہے کاش کہ یہ وقت بھی خدمتِ اسلام میں صَرف ہوتا۔ آپ نے سُستی کی مذمّت سخت الفاظ میں کی اور فرمایا:-

" ہر ایک جو تم میں سے سُست ہو جائے گا وہ ایک گندی چیز کی طرح جماعت سے باہر پھینک دیا جائے گا اور حسرت سے مرے گا اور خدا کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا"۔ (کشتی نوح)

سُستی ہی ایک وجہ ہے کہ مسلمان پانچ وقتہ نماز کی ادائیگی میں سُستی دکھاتے ہیں جس کے نتیجہ میں ان کی رُوحانی ترقّی رُک جاتی ہے محض نماز کا ادا کرنا ہی کوئی معنی نہیں رکھتا جب تک کہ وہ توجّہ اور شوق سے نہ ادا کی جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام

کا ارشاد ہے کہ پانچ وقتہ نماز اِس قدر توجہّ اور خوف سے ادا کرو کہ گویا تم خدا کو اپنی جسمانی آنکھوں سے اپنے بالکل سامنے دیکھ رہے ہو۔ ایک مومن چُھٹی ہوئی نماز کا اسی طرح سوچے گا جس طرح ایک بھُوکا انسان چھُٹے ہوئے کھانے کا سوچتا ہے۔ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے ایک دفعہ فرمایا کہ وہ احمدی جس نے دس برس میں ارادۃً ایک نماز بھی چھوڑی وہ مخلص احمدی نہیں کہلا سکتا۔

بانیٔ جماعت احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے فرمایا کہ سُورج کے طلوع ہونے سے قبل اُٹھنا، وضو کرنا اور نماز ادا کرنے میں ذرا سی کوشش درکار ہے مگر ضبطِ نفس کے بغیر ترقّی ممکن نہیں۔ یہ حقیقت رُوحانی زندگی پر اتنی ہی لاگو ہوتی ہے جتنی مادی زندگی یا معاشی زندگی میں ترقّی کے لئے ضروری ہے۔

ایک مسلمان کو زندگی کے ہر لمحہ سے بھرپُور فائدہ اُٹھانا چاہیئے اور سُستی سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ اِس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے اسے دماغ اور جسم کو ہر وقت چوکس رکھنا چاہیئے۔ ہر قِسم کے بُرے اعمال کو ترک کرو۔ انسان کے اُٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے سے اس کے کِردار کی نمایاں باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ آرام کُرسی پر بیٹھنا، سہارا لے کر کھڑے ہونا، سڑکوں پر آوارہ گھومنا یہ سب بُری عادتیں ہیں جن سے سُستی کا اظہار ہوتا ہے۔ انسان کے ذہن اور اس کے اعضاء کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ جب اعضاء سُست ہوتے ہیں تو ذہن بھی سُست ہو جاتا ہے اور جب ذہن سُست ہو تو اعضاء سُست ہو جاتے ہیں۔

اِنسانی زندگی کائنات کی عمر کے مقابلہ میں بہت کم ہے اور پھر اس کا تیسرا حِصّہ تو سونے میں گذر جاتا ہے لہٰذا عمل کا وقت بہت تھوڑا ہے۔ کہا گیا ہے کہ سُستی زندہ آدمی

کا بنا ہؤا مجسّمہ ہے۔ ایک مستعد رُوحانی مسافر اِس بات کو خوب جانتا ہے کہ سُستی اس کی رُوحانی ترقّی کے راستہ میں ایک رکاوٹ ہے۔ اِس کا اظہار ایک انگریزی نظم میں کچھ یُوں ہؤا ہے ؎

چاند کے تلے وہ سویا
سُورج کی دُھوپ میں وہ لیٹا
اس کی زندگی التوا میں گذر گئی
وہ مر بھی گیا لیکن زندگی بے کاج گذر گئی

فخر

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے مجھ پر یہ بات نازل کی ہے کہ حلیمی دکھاؤ تا کوئی ایک دوسرے سے بُرا نہ ہو اور نہ ہی کوئی اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا سمجھنے میں فخر سمجھے۔

فخر کئی ایک نامور علماء کے زوال کا باعث بن چکا ہے۔ یہ چُپکے چُپکے رفتہ رفتہ ایمان کو اِس طرح کھا جاتا ہے جیسے سرطان جسم کو۔ وقت نے ایمان کے ایک ایک ستون کو گرتے دیکھا حتّٰی کہ خدا کا اندرُونی گھر بھی مٹّی کا ڈھیر بن گیا۔ بے شک نیا گھر پُرانے گھر کے ملبے پر بنایا جا سکتا ہے لیکن یہ خلوصِ دِل کے بغیر ممکن نہیں۔ اللہ کی کتاب گمراہ لوگوں کو امّید کی کرن یُوں دکھاتی ہے:

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِیْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ ط (۴ : ۱۴۷)

ذاتی وقار اور عزّت کو فخر نہ جانو کیونکہ اوّل الذکر تو نیکی ہے جبکہ مؤخّر الذکر ایک گناہ ہے۔ حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ نے فرمایا ہے کہ فخر شرک کی ہی ایک صورت ہے آپ نے فرمایا کہ یہ نہایت قابلِ مذمّت چیز ہے اور نصیحت کی کہ کوشش کرو کہ دل میں اس کا ذرّہ بھر باقی نہ رہے۔

منصب والوں کی اطاعت نہ کرنا فخر کی ایک عام صورت ہے اِس کی وجہ سے کئی ایک علماءِ اسلام کو زوال کا سامنا کرنا پڑا۔ اِسلام نے حاکمِ وقت کی اطاعت لازم قرار دی ہے ہاں سوائے اِس کے کہ وہ اِسلام کے خلاف کسی بات کا حکم دے۔ دینی معاملات میں کون امام مقرر ہو یہ جاننا ضروری نہیں ہاں اس کی اطاعت فرض ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سُنو اور اطاعت کرو خواہ تم پر ایسا شخص مقرر کیا جائے جس کا سَر کشمش کے دانے کے برابر ہی ہو۔ (بخاری)

بعض دفعہ مشہور مقررین کے دلوں میں بھی فخر داخل ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اپنی شعلہ بیانی سے لوگوں کو متأثر کرنا چاہتے ہیں برخلاف اِس کے کہ دِل پر بھی اثر ہو۔ حضرت مسیح موعود نے اِس بارہ میں ایک مرتبہ جلسہ سالانہ قادیان میں فرمایا کہ بعض مقررین کا یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر وہ زور سے اور تیزی سے بولیں گے تو سُننے والے پر اس کا اچھا اثر ہوگا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی ذہین شخص اِس بات سے دھوکا نہیں کھائے گا کیونکہ ان کی آواز اندرونی کشش سے خالی ہے۔ اِس بات سے کسی کو انکار نہیں کہ اُونچی آواز بعض اَوقات ضروری بھی ہوتی ہے خصوصًا جبکہ مائیکروفون کے بغیر تقریر کی جائے۔ بہر حال جو ضروری ہے وہ یہ ہے کہ کِس لہجہ میں بات کہی گئی وہ لہجہ جو دِل کے سازوں کو اپنے خلوص سے ہلا دے۔

حَسد

حدیثِ نبویؐ ہے کہ " اے لوگو اپنے آپ کو حَسد سے بچاؤ کیونکہ حَسد نیکیوں کو اِس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ ایندھن کو"۔

حَسد بِن بُلائے دِل میں داخل ہو جاتا ہے اور دُنیا میں کون ہے جو اِس میں مبتلا نہ ہُوا ہو؟ یہ ایک شخص پر اُس وقت حملہ کرتا ہے جبکہ اس کا کوئی ذرّہ بھر گمان بھی نہیں ہوتا۔ اچھے سے اچھے لوگ بھی اِس کے خطرناک بخار سے نہیں بچ سکتے۔ یہ دماغ کو آگ لگا دیتا ہے اور سکون کا ستیاناس کر دیتا ہے۔ انجیلِ مقدّس میں ذکر ہے کہ حَسد قبر کی طرح خطرناک ہے اس کا ایندھن آگ کا ایندھن ہے جس کا شعلہ نہایت ہَولناک ہے۔ ایک انگریز شاعر نے اِس وباء کے نتائج کو اِس طرح بیان کیا ہے ؎

اے جہنّم کے سب سے ہولناک دیو تیرا مُہلک زہر
میرے اعضاءِ رئیسہ پر حملہ کرتا ہے اور میرے رُخساروں
کا حسین رنگ دُھندلا جاتا ہے
اور میری رُوح کا ستیاناس کر دیتا ہے

حَسد بھائی چارہ کو ختم کر دیتا ہے جو کہ اسلام کی بنیادی تعلیم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " ایک دوسرے سے حَسد نہ کرو باہمی تعلق ختم نہ کرو بلکہ سب بھائیوں کی طرح اللہ کے خادم بنو"۔ حَسد نے مَردوں اور عورتوں کو قابلِ نفرت افعال اور قتل کرنے پر بھی مجبور کیا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السّلام کے بیٹے اِس قدر حاسد تھے کہ وہ اپنے ہی چھوٹے بھائی حضرت یوسف علیہ السّلام کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اِس کا ذکر اللہ تعالےٰ

کی کتاب یعنی قرآن مجید کے بارہویں سیپارہ میں آیا ہے۔

اکثر مشاہدہ میں آیا ہے کہ جہاں محبّت ہوگی وہاں حَسد بھی ہوگا۔ یہ متضاد ہے مگر ہے درست۔ محبّت بہت مسئلہ سے نبھتی اور حَسد ان مسائل میں سے ایک ہے۔ گھاس میں چُھپے ہوئے سانپ کی طرح حَسد بھی اپنا زہریلا سَر زندگی کے معاملات میں اُٹھاتا ہے جس طرح انسان میں جنسی خواہش جسم میں قدرتی طور پر اُبھرتی ہے حَسد بھی ہماری فطرت کا ایک جُزو ہے ماسوائے انبیاء کے دُنیا میں ہر شخص پر یہ شیطانی قوّت حملہ کرتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اِس کا مقابلہ کِس طرح کیا جائے؟ تو یاد رہے کہ ہمیں ہر وقت خدا کی پناہ نماز کے ذریعہ مانگنی چاہیئے اور ان احباب کے لئے دُعا کرنی چاہیئے جن کے بارہ میں ہم میں حَسد کے خیالات پَیدا ہوں۔ قرآن مجید تمام رُوحانی بیماریوں کا علاج ہے۔ خُدا سے دُعا اور یقینِ محکم سے ہمارے دِل سے حَسد کے بادل رفع ہو جائیں گے اور ذہن کا یہ بخار جاہے کم ہو یا زیادہ ختم ہو جائے گا۔ بانیٔ جماعت احمدیہ حضرت احمد علیہ السّلام کو خدا نے پُرسکون دماغ عطا کیا تھا چنانچہ آپ نے فرمایا "مَیں نے اپنے دماغی رُجحان میں غصّہ و ناراضگی کے احساسات کو ختم کر دیا ہے۔"

قابلِ رشک بات تو یہ ہے کہ دوسروں کے بارہ میں کبھی ہتک آمیز طریق سے بات نہ کرو اگر کِسی میں کوئی خامی ہے تو اس کے بارہ میں اس سے خاموشی سے ذکر کرنا مناسب ہے بجائے اِس کے کہ تلخ کلامی کی جائے اور اِس دُعا کا ہمیشہ وِرد کرتے رہنا چاہیئے

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝ (۱۱۳: ۶)

خوف رسولِ مقبول حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی تئیس سالہ زندگی میں

اِسلام کی اشاعت اور غلبہ کی ایک بڑی وجہ مسلمانوں کی بے مثال جُرأت کا اظہار تھا نہ کہ حکومت کی خواہش اور مالِ غنیمت، جیسا کہ بعض جاہل نقّادوں نے کہا ہے کوئی بھی صحیح العقل انسان اِس بات کو تسلیم نہ کرے گا کہ تین سَو تیرہ نہتّے مسلمان مکّہ کی فوج سے بدر کے میدانِ جنگ میں اِس لئے صَف آرا ہوئے کہ مالِ غنیمت حاصل کر سکیں حقیقت یہ ہے کہ خدا کے وہ خاکسار اور عاجز بندے اِس بات سے بکلّی آگاہ تھے کہ اگر وہ خاک میں مِل گئے تو مذہب اسلام دُنیا سے ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا۔ اِسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت میں سرشار وہ صحابہ کرامؓ اِس لئے لڑے کہ جیت جائیں اور انہوں نے اللہ کے خاص فضل اور تائید سے دہریت پر عظیم الشّان فتح حاصل کی۔

آج مسلمانوں کے کندھوں پر اسلام کی اسی شوکت کو دوبارہ لانے کی ذمّہ داری آن پڑی ہے اور یہ رُوحانی صلیبی جنگ خدا کے ارادہ سے حضرت مرزا غلام احمد صاحب بانئ جماعت احمدیہ نے شروع کی۔ اِس کام کے لئے جُرأت درکار ہے تا مخالفت، تکالیف اور گوناگوں مشکلات کا کامیابی سے مقابلہ کیا جائے۔

ایک احمدی کو تنہا تیار رہنا چاہیئے وہ جو اپنے مفاد کے لئے اِسلامی تعلیمات کو بدلنا چاہتے ہیں ان سے کوئی مفاہمت نہیں ہو سکتی۔ بدقسمتی سے بعض اچھے احمدی دوستوں پر ماحول کا بُرا اثر ہو گیا ہے اور وہ دوسرے ایسے مسلمان بھائیوں کے اثر سے نہیں بچ سکے جو اسلامی تعلیم کی صحیح رُوح کو نہیں سمجھتے۔ دلی خواہش تو ضرور ہوتی ہے مگر اس خواہش کے آگے جُھک جانے سے ایمان کی روشنی ان کے چہروں سے نہیں چمکتی۔

اِنسان چونکہ اپنی حفاظت کے لئے خوف زدہ رہتا ہے اِس لئے وہ دولت کی خواہش کرتا ہے اور بجائے آخرت کے دُنیا کا مال و دَولت حاصل کرنے کے لئے زیادہ بیتاب

رہتا ہے۔ ایک احمدی کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنی آمد کا ۱/۱۶ حصّہ چندہ دے بعض اِس سے زیادہ دیتے ہیں لیکن بعض ایسے ہیں جو اِس سے کم دیتے ہیں اور بعض تو بالکل ہی نہیں دیتے ایسا لگتا ہے جیسے وہ خدا کے خوف کی بجائے اِس دُنیا کے خوف سے دہشت زدہ ہو گئے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے :۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ (۱۹۱:۲)

پھر ایک اور ارشاد ہے :۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝ (۱۹۵:۲)

دولت، جائیداد، دوستوں، اپنے عزیزوں، عزّت، شہرت، آسائش، دُنیوی وجاہت، صحت کا کھو جانا چند ایک بنیادی خوف ہیں جو انسان کو پریشان کرتے ہیں اور مذہبی فرائض کی ادائیگی میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ مندرجہ ذیل مقولہ امریکی صدر روزویلٹ سے منسوب کیا جاتا ہے :۔

" سب سے اوّل جس چیز سے ہمیں ڈرنا چاہیئے وہ خوف ہی تو ہے۔"

سزا کا خوف اور اِس بات کا خوف کہ دوسرے کیا کہیں گے صرف ذہنی حالتیں ہیں جو مومن کو جادۂ صداقت سے ہٹا دیتے ہیں۔ خوف کے آگے جُھک نہ جانا اور زندگی کے طوفانوں اور آسائشوں کا جُرأت سے مقابلہ کے لئے ہمیشہ دُعا کرنی چاہیئے۔

اپنے عزیزوں سے پیار

قرآن مجید میں ارشاد ہے :۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ۔ (۹ : ۲۴)

اِنسانی رشتے اِس قدر مضبوط ہیں کہ ایک مخلص رشتہ دار، دوست یا خادم اپنے عزیز کے لئے جان کی بازی لگا دینے سے گریز نہیں کرے گا۔ محبّت ایک نیکی ہے بشرطیکہ اس کا اظہار صرف جسمانی خواہش کے لئے نہ ہو بلکہ اس کا صحیح طریق سے کنٹرول کیا جائے محبّت، اطاعت اور خدا سے وفاداری انسان کی اوّل محبّت ہونی چاہیئے لیکن اس کی حقیقت صرف سخت امتحان اور اِبتلاء کے وقت ہی کھلتی ہے کیونکہ آزمائش میں افعال اقوال سے نہیں میل کھاتے۔ خدا تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے :۔

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ (۱۸ : ۴۷)

بے شک اِنسانی رشتے بہت مضبوط ہیں لیکن قرآن کریم نے مسلمانوں کو انتباہ کیا ہے کہ وقت آئے تو انسان کو خدا کی خاطر خاندانی رشتے بھی توڑنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ بے شک مطالبہ بہت بڑا ہے لیکن خدا کے آئیڈیل بھی بڑے ہیں اور بلندی تک پہنچنے کیلئے اِنسان کے لئے بلند پروازی بھی اشد ضروری ہے ؛

۹

ناکامی کے ذریعہ کامیابی

برطانیہ کے ایک وزیرِ اعظم ڈیزرائیلی نے کیا خوب کہا ہے کہ "میری تمام کامیابیوں کی بُنیاد ناکامیوں پر رکھی گئی ہے۔" ترقّی کی خواہش انسانی فطرت میں کم یا زیادہ پائی جاتی ہے۔ یہ ایک خاصّہ ہے جو دوسری تمام مخلوقات سے صرف اِنسان ہی کا مُنفرد خاصّہ ہے جو اسے دوسری مخلوق سے ممتاز کرتا ہے۔ آج کی دُنیا میں یہ کہنا بے جا نہیں ہوگا کہ دولت کا حاصل کرنا ہی وہ راستہ ہے جس پر انسان ترقّی حاصل کرتا ہے۔

ترقّی کرنے کی خواہش اگر اسلامی تعلیم کے مطابق ہو تو یہ ایک صحت مند علامت ہے۔ وہ مسلمان جو اپنی تمام تر توجّہ دولت ہی کے حاصل کرنے میں لگا دے اور اپنے فرائض کو انجام نہ دے تو وہ راستہ غلط ہے۔

مسلمان کا بنیادی مقصد رُوحانی ترقّی ہونا چاہیئے۔ اگرچہ دُنیوی معاملات میں اسلام نے ترقّی کی تعریف اور حوصلہ افزائی کی ہے لیکن رُوح کی صحیح پرورش اور تقویٰ کے راستہ پر ترقّی کرنے پر اسلام نے زیادہ زور دیا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ خدا کی نظر میں وہی لوگ معزّز ہیں جو بہت متّقی ہیں۔

یہ بات قابلِ افسوس ہے کہ لوگوں کی اکثریّت قبر سے ماوراء نہیں دیکھتی وہ دنیوی

ترقّی پر توجّہ دیتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ کا پیارا بندہ اپنی رُوحانی ترقّی کو نظر انداز نہیں کرتا وہ جانتا ہے کہ اس کی محبّت خدا کے لئے بہت زیادہ ہونی چاہیئے۔ وہ اپنے اندر الٰہی صفات پیدا کرنے کے لئے جوش مارتا ہے۔ اگرچہ وہ دُنیوی ذمّہ داریوں کو نظر انداز نہیں کرتا لیکن رُوحانی ترقّی کے راستہ میں تمام رکاوٹوں سے وہ اچھی طرح آگاہ اور محتاط رہتا ہے اور یہ جانتے ہوئے خدا کے فضل اور حفاظت کے لئے دُعا کرتا ہے کہ اس کی اصل حقیقت اس مادی جسم میں نہیں بلکہ اس رُوحانی جسم میں ہے جس پر کبھی موت وارد نہیں ہوتی۔ خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ۔ (۳۳:۶)

يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ؗ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِىَ دَارُ الْقَرَارِ ۝ (۴۰:۴۰)

رُوحانی ترقّی کے لئے خواہش ایک مسلمان کے اندر ایسے جوش مارے جیسے ایک متلاطم سمندر میں مَوجیں اُٹھتی ہیں۔ اُسے یہ سوچ کر ہمّت نہیں ہارنی چاہیئے کہ اعلیٰ ترقّی صرف چند ایک اِنسانوں کے لئے ہی مخصوص ہے اس کو دوسروں سے آگے بڑھنے کیلئے زبردست کوشش کرنی چاہیئے۔ اس کی ہر دُعا اور خواہش یہ ہونی چاہیئے کہ ہر صبح اِس بات پر گواہی دے کہ اس نے روز رُوحانی ترقّی حاصل کی ہے۔ رُوحانی مقابلہ ایک صحتمند مقابلہ ہے جس کی دلیل قرآن سے ملتی ہے:۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ (۲:۱۴۹)

تجارت کے میدان میں مقابلہ کی رُوح ہر آن نمایاں نظر آتی ہے اور وہ جو اپنے

مدِمقابل تاجروں اور کمپنیوں کو تجارت کے میدان میں شکست دیتے ہیں وہ صنعت وتجارت کی دُنیا میں لیڈر بن جاتے ہیں بعینہٖ مذہب کے میدان میں خدا کی نگاہ میں قُرب حاصل کرنا بھی ایک سُودمند کوشش ہے اور اس وقت تک ہم لیڈر نہیں بن سکتے جب تک دوسروں سے آگے نہیں نکلتے اور اسوقت تک ہم نہیں جیتیں گے جب تک اِسلام کی سربلندی کے لئے اپنے اندر الٰہی صفات نہیں پیدا کرتے۔

وہ مسلمان جو اپنی رُوحانی پرورش کی طرف توجّہ نہیں دیتا اس نے اپنی زندگی کا مقصد اور مذہب اِسلام کی رُوح کو نہیں سمجھا جب اس کا جسم زندگی کا سانس لینا بند کر دے گا تو اس وقت یہ دنیوی مال و دولت اس کے لئے کسی سکون کا باعث نہ ہوگا بلکہ اس کی تاریک رُوح اَبدی زندگی کی سرحد پار کرکے یہاں سے چلی جائے گی جبکہ خدا کے محبوب بندے کی پُرسکون رُوح آنے والی زندگی کے بہشت میں ایک چمک دار تارے کی طرح روشن وتابندہ ہوگی۔

صحت، دولت اور علم خدا کی دین ہیں جو خدا کی خاطر استعمال کئے جانے چاہئیں حضرت مرزا غلام احمد صاحب بانیٔ جماعتِ احمدیہ نے بھی یہی کہا ہے کہ ہماری تمام قوّتیں اور اعضاء اور جو کچھ بھی ہمارا ہے اسے خدا کے آگے رکھ دیں اور صرف خدا کی راہ میں صَرف کریں۔

ایک مخلص مسلمان اپنی ذاتی ترقّی کی طرف ہمیشہ توجّہ دے گا اور اعلیٰ ترقّی کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ اپنا مال، دولت اور اپنی صلاحیّتیں خدا کی راہ میں لگا دے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ خدا سے محبّت اور تعلق دوسری تمام چیزوں کے تعلق سے اعلیٰ و ارفع ہو۔ خدا کی رضا کے آگے تسلیم ہی اسلام کا مقصد اور اس کی رُوح ہے۔

کوئین آف سکاٹس کو ۱۵۸۷ء میں کوئین ایلزبتھ کے حکم پر موت کے تختہ پر لٹکایا گیا۔ فرانس سے اس کے قریبی روابط کا یہ عالم تھا کہ جب اس پر موت وارد ہوئی تو سی لیز CALAIS کا لفظ اسکے دِل پر کندہ تھا اسی طرح ہر مسلمان کے دل پر "تسلیم" کا لفظ کندہ ہونا چاہیئے۔ قرآن مجید میں اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

(۶ : ۱۶۳)

شکست اور ناکامی

ناکامی اور شکست مترادف الفاظ نہیں ہیں شکست میں جس طرح فتح کا پہلو چھُپا ہوُا ہے اسی طرح ناکامی صرف ایک عارضی دھچکہ کا نام ہے۔ ایک ترقی کرنے والے اور کامیاب اور مصمّم ارادہ والا شخص جس کے سامنے زندگی کا ایک خاص مقصد ہے اس کے نزدیک ناکامی کے یہی معنی ہیں اس کا مطمح نظر جلد یا بدیر ضرور حاصل ہو جائے گا۔ اس کو اِس بات کا عِلم ہے کہ مثبت سوچ ہی کامیابی کی طرف لے جانے والا راستہ ہے اور وہ اس راستہ میں پیش آنے والی رکاوٹ کو مستقل رکاوٹ نہیں جانتا اور جُونہی کوئی روک پیدا ہوتی ہے وہ اسے پاش پاش کر کے آگے اپنے مقصد کی طرف بڑھتا جاتا ہے۔

ایک کم حوصلہ شخص مایوسی میں پہلی روک پر ہی دِل چھوڑ بیٹھتا ہے۔ رہی یہ بات کہ حالات سازگار نہیں اور وہ مشکلات میں گھرا ہوُا ہے اس کا اِلزام صرف اپنے اُوپر ہی لینا چاہیئے۔ ایک ترقّی پسند شخص ہر مسئلہ ہر رکاوٹ اور ہر مصیبت

کو اپنے عزم اور کردار کو پرکھنے کے لئے ایک سنہری موقع سمجھتا ہے وہ ہر مصیبت و مشکل کو آسائش میں بدل دیتا ہے اور اسے غیبی امداد سمجھتا ہے۔ ایک امریکن مصنّف نپولین ہل لکھتا ہے کہ "مَیں ان مصائب کا ممنون ہوں جو میرے راستہ میں آئیں کیونکہ انہوں نے مجھے صبر، ہمدردی، ضبطِ نفس، عزمِ صمیم اور دوسری عادات سکھلائیں جو شاید ان کے بغیر میرے لئے ممکن نہ تھا"

ترقّی پذیر زندگی

ترقّی پذیر اور کامیاب زندگی کا مدار مثبت سوچ پر ہے اور یہ بھی کہ انسان ناکامی کی وجہ سے بَددل نہ ہو جائے۔ کامیابی کا دارومدار کامیاب سوچ پر ہے۔ دماغ میں پیدا ہونے والے خیالات بعض اَوقات حقیقت میں تبدیل ہو جاتے ہیں اِس لئے ہمیں دماغ میں صرف مثبت خیالات پیدا کرنے چاہئیں اور دماغ کے دروازے کو منفی خیالات کے آنے سے پہلے ہی بند کر دینا چاہیئے۔ یہ بات حقیقت سے بعید نہیں کہ خیالات بھی اشیاء ہیں۔ نوعِ اِنسانی کی موجودہ ترقی صرف دماغ کی تخلیقی قوّت کی مرہُونِ منّت ہے ورنہ یہ دُنیا چند تبدیلیوں کے سوا ویسی کی ویسی رہتی جیسے یہ شروع ہوئی تھی۔ اِنسانی ترقّی، ایجادات، فصلوں کی آبپاشی اور میڈیسن کے میدان میں ترقی تمام کی تمام سوچ کے بیج سے شروع ہوئیں جن کو دماغ کی تخلیقی قوّت نے حقیقی اشیاء میں ڈھال دیا۔

سوچ کامیابی کا سنگِ بُنیاد ہے۔ سوچ کو وہ خدا کی عطا کردہ تخلیقی قوّت حاصل ہے کہ اگر انسان اسے پیدا کرلے تو وہ اسے اپنے فائدہ کے لئے خواہ اِس

دُنیا میں یا آنے والی دُنیا میں استعمال کرسکتا ہے۔ انسان صرف اس سوچ کو حقیقت میں بدل دیتا ہے جس سوچ میں دماغی طور پر وہ ڈوبا رہتا ہے اور دماغ کی تخلیقی قوت سے اپنی زندگی میں وہ ایسی کامیابیاں حاصل کرسکتا ہے جو ناقابلِ یقین اور غیر معمولی ہیں۔

ہر انسان ویسا ہی رہتا ہے جیسے اس کے خیالات ہوں۔ وہ اپنے کردار کا معمار ہے اور اپنی رُوح کے جہاز کا کپتان۔ جُونہی وہ اپنے دماغ کی کیمسٹری سمجھ لیتا ہے وہ خدا کی عطا کردہ طاقتوں سے اپنے خوابوں کو حقیقت میں بدل سکتا ہے۔

فرانس کے مارشل میکموہن کی زندگی مندرجہ ذیل حسابی مساوات کا ایک زندہ ثبوت ہے۔" خواہش + چاہنے والی چیز پر مسلسل سوچ = مطلوبہ نتیجہ کے برابر ہوتی ہے۔"

مارشل میکموہن جب بچہ تھا تو اس کی شدید خواہش تھی کہ وہ فرانس کا سپہ سالار بنے۔ اس نے اس خواہش کو اپنا مطمحِ حیات بنا لیا اور یہ خواہش اس کے اندر اِس قدر شدید تھی کہ وہ اپنے آپ کو ہمیشہ ایک مارشل کے لباس ہی میں دیکھتا چنانچہ وہ بالآخر فرانس کا مارشل بنا اور ملک کا صدر بھی۔ پس جو زندگی میں ترقی کے خواہاں ہیں ان کے لئے مارشل میکموہن ایک عظیم نمونہ اور تابندہ مثال ہے۔ دن میں بعض دفعہ ایسے مواقع ضرور آتے ہیں کہ انسان کو فراغت حاصل ہوتی ہے ان فرصت کے لمحوں میں دُنیا کے عظیم آدمیوں کی سوانح عمریاں پڑھنے سے بہتر دوسری کوئی چیز نہیں۔ اِس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں نے ناکامیوں میں سے کامیابیاں

کیسے حاصل کریں ؟؟

انسان جب اندرونی قوّت سے آگاہ ہوجاتا ہے اور اس کو عمل میں بدلنا چاہتا ہے تو پھر یہ بات سمجھ آتی ہے کہ کس طرح اس فلسفہ کی قوّت اس کو رُوحانی مقصد کے نزدیک تر کر دیتی ہے۔ دماغ کی تخلیقی قوّت کو صرف راستہ دکھانے کی ضرورت ہے پھر یہ ایک فرمانبردار خادم کی طرح خدمت پر ہر وقت حاضر ہو گی۔ یہ وہی کرے گی اور وہی چیز پیدا کرے گی جس کا اس کو حکم دیا جائے گا بشرطیکہ خدا کی رضا کے خلاف نہ ہو اور خدا تعالیٰ کی بھی ہمیشہ یہی منشاء ہوتی ہے کہ ان کو راستہ سجھائے جو اسے حاصل کرنا چاہتے ہیں اور ان کی مدد کرے جو اپنی رُوح کی پاکیز گی کے لئے کوشاں ہوتے ہیں یہی مقصدِ حیات ہونا چاہیئے اور یقیناً صحیح سوچ کا علم اسکے حصول کے لئے بنیادی شرط ہے۔

مشکل کے بعد آسائش

زندگی ایک میدانِ جنگ ہے جس میں ہر کامیاب مرد اور عورت فاتح بن کے منصّۂ شہود پر آیا ہے۔ یہ لوگ کامیابی کے متعلق کبھی بدظن نہ ہوئے اور اس وقت تک جنگ جاری رکھی جب تک کہ ان کو کامیابی نہ ہوئی۔ پھر اس اندرونی تجربہ نے ان کے جسم کے انگ انگ میں ایک توانائی پیدا کر دی اور یہ بات باعثِ مسرّت ہے کہ یہ ایک آسمانی انعام ہے جس کو انہوں نے طویل جدّ وجہد کے بعد حاصل کیا۔

ایک رُوحانی راہروِ اِس دُنیا میں رہتے ہوئے بھی جُوں جُوں ایک سے دوسری

مشکل پر قابو پاتا جاتا تو جنّت کی فضاؤں میں چڑھتا چلا جاتا ہے زندگی ایک تفریح بنتی جاتی ہے اور طوفان اس کو اِدھر سے اُدھر اُڑائے نہیں پھرتے۔ اس کا دِل اس آسمانی ہَوا سے تازہ اور مصفّیٰ ہو جاتا ہے۔ اس نے ہر دروازے پر دستک دی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی اور پھر وہ صبر اور اِستقلال کے پھل کھاتا ہے اور خدا کے اس وعدہ کو یاد کرتا ہے کہ یقیناً مشکل کے بعد آسائش ہے۔ اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ وَ اَصۡلَحُوۡا ۟ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ٥ (۲۴:۶)

ایک اَور جگہ ارشاد ہُوا ہے: لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰہَا ؕ سَیَجۡعَلُ اللّٰہُ بَعۡدَ عُسۡرٍ یُّسۡرًا ٥ (۶۵:۸)

خدا کا فرمانبردار بندہ مشکلات کو خدا کا فضل اور عنایت سمجھتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ مشکلات کو صبر اور جرأت سے قبول کر کے نہ صرف وہ خدا کی رضا حاصل کرے گا بلکہ رُوحانی میدان میں اعلیٰ مراتب حاصل کرے گا اور یہی وہ غذا ہے جسے وہ دوسری چیزوں کے مقابلہ میں حاصل کرنا چاہتا ہے۔

ماؤنٹ ایورسٹ کی چوٹی دُنیا کی سب سے اُونچی چوٹی ہے جس کو فتح کرنے کے لئے بہت سے لوگوں نے کوششیں کیں وہ بار بار ناکام ہوئے اور بہت سے تو اپنی زندگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے لیکن مسلسل کوشش اور عزم بالآخر رنگ لایا اور یہ چوٹی ۱۹۵۳ء میں سر ایڈمنڈ ہلاری نے سَر کی۔

ایورسٹ پر چڑھائی کے لئے ڈھلوان آسان ہے مگر جُوں جُوں چڑھائی بڑھتی ہے رفتار کم ہوتی جاتی ہے مزید چڑھائی پر زبردست ٹھنڈ اور خطرناک طوفانی ہوائیں اِنسان کو بددل کر دیتی ہیں لیکن جُوں جُوں چوٹی قریب تر ہوتی جاتی ہے

سانس لینا مشکل ہو جاتا ہے لہٰذا آکسیجن کا ماسک مُنہ پر چڑھانا پڑتا ہے چڑھائی کا ہر مرحلہ منجمد برف میں گزرتا ہے اور پھر تمام ہمّت ملا کر چوٹی پر چڑھ جانا پہاڑیوں پر چڑھنے والے صبر کا عظیم نمونہ ہیں اور یہی صبر کا نمونہ ہر مسلمان کے رُوحانی مقصد کے حصول کا طُرّۂ امتیاز ہونا چاہیئے۔

○

۱۰
شہد کے دریا

قرآنِ مجید میں مومنوں سے جنّت کے جن باغوں کا وعدہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے :-

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۖ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ...... وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۔ (۴۷ : ۱۶)

مذکورہ بالا آیتِ کریمہ میں جنّت کی ایک خوبصورت مثال پیش کی گئی ہے ۔ اِس آیت کا مطلب لفظاً بلفظاً لینا درست نہیں کیونکہ اِسلامی تعلیم یہ ہے کہ آنے والی دُنیا کی نعمتیں انسانی تصوّر سے بہت بالا ہیں ۔

ایک اَور جگہ ارشادِ ربّانی ہے :-

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءً ۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (۳۲ : ۱۸)

اِس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے پیغمبرِ اسلامؐ نے فرمایا " جنّت کی نعمتیں ایسی ہیں کہ جن کو اِس آنکھ نے نہیں دیکھا اور نہ کان نے سُنا اور نہ ہی یہ دل پر گزریں کہ انسان انہیں سوچ بھی سکے "۔

خدا نے جنّت کی بعض چیزوں کا اِس دُنیا کی اچھی چیزوں سے موازنہ کیا ہے تا انسان اس آسمانی زندگی اور اس میں اشیاء کی شوکت کا اندازہ لگا سکے جس طرح پانی انسان کو پاک اور تازہ کرتا ہے اسی طرح نیک بندے دوسری دُنیا میں رُوحانی تازگی اور صفائی عطا کئے جائیں گے دُودھ کا مطلب رُوحانی علم ہوتا ہے اور خواب میں اِس کا پینا اچھائی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ شراب کا مطلب خدا تعالےٰ سے محبّت ہوتا ہے وہ شراب جو انسان کو بدمست نہیں کرتی اور شہد کا مطلب خدا تعالیٰ کا فضل اور رحم ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں بعض پھلوں کا ذکر جنّت کی مناسبت سے کیا گیا ہے جیسے کھجوریں، انگور اور انار۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ جنّت کے تعلق سے جن پھلوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ نہایت منفعت بخش اور غذائیت سے بھرپور ہیں۔ کھجور کو نہایت عمدہ غذائی پھل تسلیم کیا گیا ہے۔ انگور نہ صرف غذائیت سے بھرپور ہے بلکہ اِس میں علاج کی بھی خاصیّت ہے یہ جسم میں سرطانی اجزاء کو ختم کرنے میں بہت ممد ثابت ہوتا ہے اور دُودھ کی غذائی اہمیّت کا ہر ایک کو علم ہے۔ اِس باب میں ہم شہد کے عجائبات کی تفصیل بیان کریں گے۔

قرآن مجید میں شہد کی بہت تعریف کی گئی ہے اور شہد کی مکّھی کا خاص طور پر ذکر مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا گیا ہے:۔

وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ۙ ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ

لِلنَّاسِ ۔ (۱۶ : ۶۹، ۷۰)

قرآن مجید میں ذکر ہوا ہے کہ خدا نے شہد کی مکھی پر وحی نازل کی حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق الہام سے مشرّف ہوئی ہے۔ الہام کی مختلف صورتیں ہیں سب سے اعلیٰ صورت زبانی الہام کی ہے اور جانور، کیڑے، مچھلی اور ہر قسم کی مخلوق جبلّت سے صراطِ مستقیم پر چلتے ہیں جو خدائی ہدایت کا ذریعہ ہے حتّٰی کہ انسانی بچّہ بھی عِلّت العِلل ہی کے باعث اپنی ماں کے پستان کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی تمام علوم کا ماخذ و منبع ہے۔ وہی ذات ہے جو زندگی دینے والی اور تمام ہدایت کا سرچشمہ ہے۔

وجدان INTUTION الہام کی ایک دوسری صورت ہے۔ بعض دفعہ ایک مسئلہ دماغ میں بجلی کی چمک کی طرح یا آسمان پر ٹوٹے ہوئے ستارہ کی طرح یک لخت سمجھ میں آجاتا ہے۔ وجدان کو ہمیشہ قبول کرو چاہے اس کے برعکس کتنی بھی وجوہات نظر آتی ہوں، یہ دوسری دُنیا سے آتا ہے جبکہ عقل محض دماغ کی پیداوار ہے۔

شہد قدرت کی عطا کردہ ایک نہایت عمدہ غذا ہے جس میں وٹامن، معدنیات اور شفا بخش خواص ہیں جسمانی نظام میں یہ داخل ہو کر ہمیں قوّت بخشتا ہے۔ گرم پانی میں ایک چمچہ شہد ڈال کر پینا تھکاوٹ دُور کرنے کا بہترین ذریعہ ہے چائے و کافی میں نقصان دہ عادت ڈالنے والی منشیات کے اجزاء پائے جاتے ہیں جو اعصاب کو وقتی طور پر تو سکون دیتے ہیں لیکن چائے و کافی میں کوئی غذائیت نہیں۔ سگریٹ نوشوں کی طرح چائے و کافی پینے والے بے چین، مضمحل اور چڑچڑے ہو جاتے ہیں جب یہ اشیاء ان کو دستیاب نہیں ہوتیں۔ وہ سکون حاصل کرنے کے لئے اِن چیزوں کے

عادی ہو جاتے ہیں جبکہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ انسان کسی ناخوشگوار عادت کا غلام نہ بنے۔ اِس وقت دُنیا میں لکھوکھا افراد بشمول عورتوں کے کافی یا چائے پینے کے بغیر اپنی جولانی اور معمول کی زندگی کو برقرار نہیں رکھ سکتے۔ شہد ایسی چیز ہے جو نظامِ جسم میں فوراً گھُل جاتا ہے اور جسم کے ہر خُلیہ (سَیل) کو دوبارہ زندگی بخشتا ہے اور پھر طرفہ یہ کہ شہد کی عادت بھی نہیں پڑتی ہے۔

سگریٹ نوشی ایک ضرر رساں عادت ہے یہ اعصاب کو کمزور کرتی اور جسم کے ہر ایک خُلیہ کو کمزور کرتی چلی جاتی ہے۔ تمبا کو ایک زہریلا مادہ ہے جو نہ صرف جسم بلکہ رُوح پر بھی اپنے بُرے اثرات چھوڑ جاتا ہے۔ جسم اور رُوح کی پاکیزگی ہر مسلمان کا مطمحِ نظر ہونا چاہیئے۔ ایک سگریٹ نوش نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ فضا کو بھی آلُودہ کرتا ہے۔ یہ دراصل ہر اُس انسان کے لئے باعثِ مصیبت ہے جو خدا کی دی ہوئی صاف ہَوا کو عطیہ سمجھتا ہے۔ سگریٹ نوش کا کیا حق ہے کہ وہ اس پاک صاف ہَوا کو آلودہ کرے جس میں دوسرے بھی سانس لیتے ہیں۔ شہد کی ایک بوتل اسی رقم سے خریدی جا سکتی ہے جس سے سگریٹ کا ایک پیکیٹ خریدا جاتا ہے۔

شہد نہ صرف ایک مفید غذا ہے بلکہ کلامِ الٰہی کے مطابق اس میں طبّی خصوصیّات بھی ہیں۔ ویسے تو اس کی میڈیکل خصوصیات بہت سی ہیں لیکن وہ شخص جو غذا کے ساتھ روزانہ شہد کھاتا ہے وہ کبھی قبض کی شکایت نہیں کرے گا۔ شہد میں قدرتی مٹھاس ہے جبکہ سفید چینی کو "موت کا پھندہ" کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں سے غذائیّت کے وہ مادّے نکال لئے جاتے ہیں جو کہ "بھوری چینی" میں پائے جاتے ہیں۔ سفید چینی سے قبض ہوتی ہے جبکہ براؤن شوگر سے معدہ صاف ہوتا ہے۔ شہد بچّوں

کے لئے از حد مفید ہے اور اِس سے بچّوں کو اسہال کی بیماری نہیں لگتی۔ اگر بچّے کو قبض ہوجائے تو دُودھ میں شہد ملا کر دیں یہ مؤثر علاج ہے۔ بعض بچّے رات کو سوتے میں بستر پر پیشاب کر دیتے ہیں رات کو شہد دینے سے یہ بیماری دُور ہوجاتی ہے۔ گرم پانی اور شہد اتنا ہی کھانسی کے لئے اچھا ہے جتنا کہ کھانسی کی دوائی۔ اِس سے جوڑوں کو آرام ملتا ہے اور نیند خوب آتی ہے اِس لئے یہ نیند نہ آنے کا بھی علاج ہے اور جو بچّے رات کو ڈر کے مارے روتے ہیں یہ اس کا بھی علاج ہے۔ شہد GERMS کو بھی مارتا ہے اور زخموں پر لگانا بھی اچھا ہے اس سے زخم اور جلے ہوئے جسم کے حصّے جلد مُندمل ہوجاتے ہیں۔ اندرونی طور پر جوڑوں کا دَرد اور سوجن بھی اس سے اچھے ہوجاتے ہیں۔ کسی نے شاید ٹھیک ہی کہا ہے کہ شہد جوڑوں پر زبردست اثر کرتا ہے۔

مضمون ہٰذا کے ختم ہونے سے قبل مندرجہ ذیل مشاہدات قابلِ غور ہیں:۔

(ا) شہد کی مکھّیاں پالنے والے لوگوں کو گُردوں کی تکلیف نہیں ہوتی۔

(ب) شہد کی مکھّیاں پالنے والوں کا رنگ صاف اور نظر اچھی ہوتی ہے۔

(ت) جو لوگ شہد کھاتے ہیں ان کو سرطان اور اعصابی بیماری نہیں ہوتی۔

دُنیا میں کیڑوں کی اَن گنت اقسام ہیں قرآن حکیم نے صرف ایک شہد کی مکھّی کا ذکر کیا۔ خدا تعالیٰ نے اِس کیڑے پر اپنی خاص نظرِ عنایت فرمائی یہ اِس لئے زبردست مخلوق ہے اور جو رزق اِس کے پیٹ سے نکلتا ہے وہ بھی زبردست غذا ہے۔ قرآن مجید کی ایک سُورۃ کا نام بھی النّحل یعنی شہد کی مکھّی ہے۔ آؤ ہم اس دُنیا کے شہد سے لطف اٹھائیں اور دعا کریں کہ ہم سب مسلمان آنیوالی دُنیا کے شہد سے بھی متمتّع ہوسکیں +

۱۱

ہماری موہوم دُنیا

قرآن مجید کے مندرجہ ذیل ارشاد پر غور فرمائیں وَاِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰکِبُوۡنَ (۲۳ : ۷۵) اُخروی زندگی پر ایمان مذہب اِسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رُکن ہے۔ قرآن مجید میں اِس موضوع پر متعدد آیات بیان ہوئی ہیں۔ خوب جان لو کہ حیات بعد الموت سے انکار انسان کو صراطِ مستقیم سے ہٹا دیتا ہے اُوپر درج شدہ آیت اِس بات کا ثبوت ہے اور وہ شخص جو آخرت پر یقین نہیں رکھتا وہ بے شک سیدھے راستہ سے گمراہ ہے۔

یہ بات ازحد قابلِ افسوس ہے کہ اکثر لوگ آنے والی زندگی کے لئے رُوح کی صحیح تیاری کی طرف بہت کم توجّہ دیتے ہیں اور یہ بات تو اَور بھی صد افسوس ہے کہ بہت سے لوگ آنے والی زندگی پر یقین ہی نہیں رکھتے۔ وہ اِس اَرضی زندگی کے سوا کسی اَور زندگی کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے اور اپنے حواسِ خمسہ یعنی چھُونے، چکھنے، سُونگھنے، سُننے اور دیکھنے کے ذریعہ نظر آنے والی زندگی پر ہی یقین رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے وَیُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ (۲ : ۴) مومن وہ ہے جو نہ نظر آنے والی زندگی یا غیب پر یقین رکھتا ہے۔ یہ کوئی اندھا یقین نہیں بلکہ ایسا

یقین ہے جس کا ثبوت ذاتی تجربہ اور مذہبی کتب سے ملتا ہے۔

جو لوگ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ کائنات اور اس کی ہر چیز مادی ہے وہ وہم میں مُبتلا ہیں۔ ہم یہ بات ثابت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں کہ یہ دُنیا اور جو کچھ اس میں ہے وہ وہ نہیں جیسے نظر آتی ہے۔ مادّہ دراصل کچھ بھی نہیں۔ جب یہ عظیم حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے تو پھر حیات بعدالموت کی حقیقت سمجھنے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہتی۔ یہ دُنیا رُوحانی کائنات ہے جیسا کہ آنے والی زندگی ہے فرق صرف یہ ہے کہ دونوں کی کیفیّت مختلف ہے۔

نفسِ مضمون کا جائزہ

ایک ہوا باز آسمان سے ساحلِ سمندر پر سُنہری لکیر دیکھتا ہے قریب آن کر پتہ چلا کہ اس نے جو کچھ دیکھا وہ درحقیقت ریت کے چھوٹے چھوٹے ذرّات کا انبار ہے خوردبینی مطالعہ سے بھی یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ ریت کا ہر دانہ اَن گنت ذرّوں سے بنا ہوُا ہے جو اتنے چھوٹے ہیں کہ کروڑوں بلکہ اَربوں دانے ملا کر وہ اَنبار بنا ہے کہ جسے انسانی آنکھ دیکھ سکے۔ طبیعاتی سائنسدانوں کا خیال تھا کہ ایٹم مادّہ کا سب سے چھوٹا ذرّہ ہے لیکن اب ثابت ہوُا ہے کہ ایٹم سے بھی چھوٹے ذرّے موجود ہیں جن کے نام پروٹون، نیوٹرون اور الیکٹرون ہیں۔

ہر چیز ایٹم سے بنی ہے اور محض خلاء ہے۔ پروٹون اور نیوٹرون کا مرکزی نقطہ "نیوکلیئس" کہلاتا ہے۔ الیکٹرون جو مختلف قسم کے ہوتے ہیں اپنے نیوکلیئس کے گِرد گھومتے ہیں جیسے شمسی نظام سُورج کے گِرد گھومتا ہے۔ حقیقت میں ہر ایٹم ایک چھوٹا سا

شمسی نظام ہے جو فضا میں تیر رہا ہے۔ ایٹم کے سائز کو ذہن میں رکھتے ہوئے الیکٹرون میں مرکزی نقطہ نیوکلیئس سے فاصلہ کا مقابلہ ہمارے کُرّوں کے سُورج سے فاصلہ کا اندازہ کیا گیا ہے۔

یہ بات اچنبھا نہیں کہ ایکس ریز، ریڈیو ویوز اور دوسری قسم کی لہریں دُنیا کے سخت سے سخت ترین لوہے اور پتّھر میں سے گذر جاتی ہیں۔ کار کے سامان رکھنے والے حِصّہ میں ایک ریڈیو چلا کر اس حِصّہ کو بند کر دو ریڈیو اس کے باوجود بھی چلتا رہے گا۔ گھر کے کِسی دروازہ کی دَرز میں سے جس طرح سُورج کی کرن گذر جاتی ہے اسی طرح لہریں لوہے میں سے آسانی سے گذر جاتی ہیں۔

حقیقت میں ہر مادّی چیز محض خلاء ہے جس میں ایک ایٹم بلکہ ہر ایٹم ایک دوسرے سے نہیں مِل رہا۔ چونکہ ہمارے دیکھنے کی قوّت بہت محدود ہے اور جو کچھ ہم دیکھنے کے قابل ہیں اور جو محسُوس کرتے ہیں آپس میں بالکل مختلف ہیں۔ ہم ایک موہُوم دُنیا میں رہ رہے ہیں تاہم مادّہ ہے سہی۔ مادّہ کیا ہے؟ یہ کہاں سے آیا؟ اِس کا جواب ابھی انسان تلاش کر رہا ہے۔

مادّہ توانائی ہے

دُنیا میں عِلّت و معلول کے قانون کا ہر ایک کو علم ہے کوئی چیز بغیر عِلّت کے نہیں ہو سکتی اور یہ ایک حقیقت ہے مذہب اِسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ خدا تعالےٰ دُنیا کی ہر چیز کا ماخذ اور منبع ہے۔ وہ بے مثال ہے کیونکہ اس کا آغاز اور انجام نہیں۔ وہ تمام چیزوں کا خالق ہے وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ (۳۶ : ۸۲) نیز ارشادِ ربّانی ہے خَالِقُ الْبَارِئُ

اَلْمُصَوِّرُ (۲۵ : ۵۹)

یہاں سوال پَیدا ہوتا ہے کہ آیا مادّہ کو خدا نے یک لخت بنایا یا کہ یہ غیر مادّہ قوّتوں سے رفتہ رفتہ پَیدا ہوُا جو کہ فضا میں پہلے سے موجود تھیں ۔ آئن سٹائن (۱۸۷۹ - ۱۹۵۵) کو طبیعاتی حساب کے میدان میں بیسویں صدی کی سب سے بڑی شخصیّت تسلیم کیا گیا ہے اس نے یہ بات ثابت کی کہ مادّہ اور توانائی درحقیقت دو مختلف صورتوں میں ایک چیز کا نام ہے دونوں آپس میں اپنی ہیئت بدل سکتے ہیں ۔ مادّہ کو توانائی میں تبدیل کیا جا سکتا ہے اور توانائی کو مادّہ میں تبدیل کیا جا سکتا ہے ۔

توانائی مادّہ کے پیدا ہونے سے پہلے ہی موجود تھی جو کہ اس توانائی کا ثبوت ہے جس سے یہ پَیدا ہوُا ۔ بعینہٖ خیال بھی نہ محسوس ہونے والی توانائی ہے جو کہ اِس کائنات کے بننے کے پیچھے کارفرما تھا اور جو بھی پیچیدہ نظام اِس کائنات میں ہیں خیال ان کے پیچھے کارفرما تھا ۔ انسانی اور حیوانی کائنات میں "خیال کی توانائی" کا اظہار دماغ کی قوّت سے ہوتا ہے ۔ سائنسدانوں نے اب ایسے آلات ایجاد کر لئے ہیں جن سے دماغ سے پَیدا ہونے والی توانائی کی لہروں کا چارٹ یا گراف بنایا جا سکتا ہے ۔ سوچ کی توانائی اور دوسری قِسم کی توانائی اِس کائنات کے پَیدا ہونے سے پہلے موجود تھی اور اس میں سے کچھ توانائی نے مادہ کی صورت اختیار کر لی ۔ ہم نہ نظر آنے والی دُنیا میں رہتے ہیں اور جب یہ حقیقت سمجھ آ جاتی ہے تو پھر آخرت کی بھی نہ نظر آنے والی دُنیا کی حقیقت آسانی سے آشکارا ہو جاتی ہے ۔

اب ہمیں یہ پتہ چل گیا کہ توانائی اور مادّہ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں ۔ توانائی مختلف فری کوئنسی FREQUENCY اور ویولینتھ WAVE LENGTH پر سفر کرتی

ہے۔ یہ اِتنی بڑی کائنات صرف توانائی کی ہل چل کا ہی ایک بہت بڑا نظام ہے مختلف قِسم کی توانائی مختلف "فری کوئنسی" پر سفر کرتی ہے اور اس کا اثر بھی بعینہٖ مختلف ہوتا ہے۔ آنے والی دُنیا بھی مختلف اِرتعاش VIBRATIONS کے زینوں کے مطابق کام کرتی ہے جس طرح یہ دُنیا مختلف اِرتعاش کے زینوں پر کام کرتی ہے۔

جس طرح ہم اِس کُرّۂ زمین سے جُڑے ہوئے ہیں اسی طرح ہمارے حواس بھی صرف اِس دُنیا تک ہی محدود ہیں ہم دوسری دُنیا کی نوعیّت اور حالت سے اِس لئے آگاہ نہیں ہوسکتے کیونکہ وہ دُنیا ہمارے حواس کی "فری کوئنسی" سے باہر ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے :۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (۳۲ : ۱۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "آنے والی دُنیا کی ماہیّت ایسی ہے کہ جن کو کانوں نے نہ کبھی سُنا اور نہ آنکھوں نے دیکھا اور دماغ انہیں اپنے تصوّر میں بھی نہیں لاسکتا۔"

ایک ٹیلی ویژن سیٹ جو کہ چند ایک مخصوص چینل کے لئے بنایا گیا ہو وہ دوسرے چینل پر آنے والے پروگرام نہیں دکھلاسکتا اسی طرح ہمارے حواس صرف اِس دُنیا تک محدود ہیں وہ آنے والی دُنیا کو دیکھ اور سمجھ نہیں سکتے کیونکہ یہ حواس اُس آنے والی دُنیا کے لئے بنائے ہی نہیں گئے۔

ہم ایک مخصوص "فری کوئنسی" کے اندر ارتعاش سے آگاہ ہیں۔ اِنسانی کان آواز کی اُن فری کوئنسی کو سُن سکتا ہے جن کی رفتار بیس ہزار گردش فی منٹ ہو انسانی

کان اِس رفتار سے زائد آواز کی ہر قسم کی گردشوں کو سُننے کے قابل نہیں ہے۔

چمگادڑ ایک خاص قسم کی باریک آواز نکالتی ہے جسے ہم نہیں سُن سکتے۔ یہ آواز چمگادڑ کے لئے ریڈار کا کام کرتی ہے کیونکہ یہ آواز راستہ میں آنے والی ہر چیز سے ٹکرا کر واپس آتی ہے اور یُوں چمگادڑ اس سے ٹکر نہیں کھاتی۔

کُتّوں کے لئے ایک خاص خاموش سیٹی ہوتی ہے۔ کُتّے کا مالک جو سیٹی بجاتا ہے وہ خود اُسے نہیں سُنتا لیکن کُتّے کا کان اُس کو سُن لیتا ہے اور وہ فوراً حکم کی تعمیل کرتا ہے۔

ہمارے اِرد گرد خاموش عالَم میں ہر قسم کی کارروائی ہو رہی ہے ہمارے حواسِ خمسہ اس کے لئے بہرے اور اندھے ہیں البتہ ہماری چھٹی حِس کو بعض اوقات ان میں سے کِسی ایک کا پتہ چل جاتا ہے۔

روشنی لہر کی حرکت کا نام ہے۔ ہر رنگ مختلف رنگوں کی لہروں کا ایک سِلسلہ ہے ایک پرزم PRISM روشنی کی لہر کو قوسِ قزح کے سات رنگوں میں تبدیل کر دیتا ہے اِن سات رنگوں کو سپیکٹرم SPECTRUM کہا جاتا ہے۔ اس سپیکٹرم میں دوسرے تمام نظر آنے والے رنگ مختلف رنگوں کو مِلا کر بنائے جا سکتے ہیں تاہم بعض رنگوں کو ہماری آنکھ نہیں دیکھ سکتی کیونکہ لہروں کی مقدار ہماری آنکھ کی قوّتِ جاذبیت سے زیادہ ہوتی ہے۔ اِن نہ نظر آنے والی شعاعوں کا نام "الٹرا وایولیٹ ریز" ULTRA VIOLET RAYS اور "انفرا ریڈ ریز" INFRA RED RAYS ہے۔

اِن کی دریافت سپیکٹروسکوپ SPECTROSCOPE سے ہوئی جو سپیکٹرم SPECTRUM کے مطالعہ کے لئے مفید آلہ ہے۔ یہ دعویٰ سُننے میں آیا ہے کہ سات

رنگ جن کا علم ہمیں سپیکٹرم سے ملتا ہے وہ نہ نظر آنے والے رنگوں میں سے صرف چند ایک رنگ ہیں۔

ہمارے اِردگرد نہ سمجھ آنے والی دُنیا اور مختلف قِسم کی کائنات موجود ہے مصیبت یہ ہے کہ ہم اس کو اپنے حواس کے ذریعہ سمجھ نہیں سکتے۔

اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتا ہے :۔

ارْجِعِیٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۚ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۙ

(۸۹ : ۲۹، ۳۰)

اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ انسان کی اصلیّت اس کے جسم میں نہیں بلکہ نہ نظر آنے والے اصل میں ہے اور اس اصل کا دِل رُوح ہے ۔ اِلہامی کتب میں سے سب سے زیادہ قرآن حکیم رُوح اور آخرت کی ماہیّت پر روشنی ڈالتا ہے تاہم اِس موضوع کو سمجھنے اور جاننے کے بارہ میں انسان کا علم ہمیشہ محدود رہے گا ۔ ارشادِ ربّانی ہے :۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ (۱۷ : ۸۶)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جنّت کی نعمتیں ایسی ہیں کہ جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سُنا اور دماغ ان کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا ۔ ہم اِس باب میں رُوح اور آخرت سے متعلق اسلامی تعلیم سے قارئین کو آگاہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور انشاء اللہ العزیز یہ بات بیان کرنے کی سعی کریں گے کہ کیونکہ ہمارے حواس دوسری دُنیا کا اندازہ نہیں کر سکتے جو کہ مختلف "فری کوئنسی" پر ارتعاش کر رہی ہے ۔ اِسلامی تعلیم کے

علاوہ اِس مضمون پر مزید معلومات مندرجہ ذیل باتوں سے حاصل کی جاسکتی ہیں (۱) چھٹی حِس (۲) جسمانی تجربہ اور (۳) رُوحانی تجربہ۔

وجدان INTUTION

یہ ایک ایسی دماغی قوّت ہے جو تجزیہ اور عِلّت کے بغیر حقیقت کو جان لیتی ہے۔ اس کی چمک بعض دفعہ اِنسان کو ایک مسئلہ کا حل یا نئی ایجاد جس پر کسی نے سالہا سال ریسرچ کی ہو وہ ایک لمحہ میں دریافت ہوجاتا ہے۔ یہ چمک بعض دفعہ دِن میں جاگتے یا سوتے میں آتی ہے کیونکہ ہمارا دماغ تو چوبیس گھنٹے مصروف رہتا ہے چاہے ہمارا جسم آرام ہی کر رہا ہو۔

خطرہ یا بُرے وقت سے آگاہی اکثر چھٹی حِسّ کا نتیجہ ہوتی ہے۔ ایک شخص جس نے نیویارک کے لئے ہوائی جہاز کی سیٹ ریزرو کروا رکھی ہو بغیر کسی وجہ کے یہ محسوس کرے کہ وہ کسی اَور دِن سفر کرے اور پھر وہ جہاز کسی حادثہ کے نتیجہ میں گِر کر تباہ ہوجائے یہ ہے چھٹی حِسّ کا آنکھوں دیکھا ثبوت۔

مُوجد، شاعر، آرٹسٹ، مصنّف، سائنسدان حضرات اُن اَن گِنت لوگوں میں سے ہیں جو ہر زمانہ میں چھٹی حِسّ کی کرشماتی طاقت کے عینی گواہ رہے ہیں۔ ایڈیسن جس نے بجلی کا بلب ایجاد کیا وہ ان مُوجدوں میں سے ایک ہے جس کی ایجادات صرف اور صرف چھٹی حِسّ کی روشنی کے باعث ہوئیں۔ مائیکل اینجلو اٹلی کا باشندہ تھا۔ وہ دُنیا کا ایک عظیم ترین اِنسان مانا جاتا ہے اس کو خواب کی حالت میں اس کے عظیم کاموں کے حل ملے۔ پھر دوسرے بھی لاتعداد لوگ ایسے ہیں جن کو غیر متوقع موقعوں پر رہبری ملی یا اس سے اس وقت متمتع

ہوئے جبکہ وہ کسی اَور مسئلہ یا دریافت پر غور کر رہے تھے۔

عِلم عموماً حواسِ خمسہ کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے یعنی دیکھنے، سُننے، چکھنے، سُونگھنے اور محسوس کرنے سے۔ عِلم مسلسل مطالعہ، یادداشت اور تجربہ کے ساتھ بھی حاصل ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ علم منطق پیدا ہوتا ہے جبکہ ایسے علم کے برعکس چھٹی حِس کا عِلم کسی بلند اور منفرد منبع سے ملتا ہے یہ دماغی کوشش کا نتیجہ نہیں۔ اِس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک گلہری کا بچّہ جس نے کبھی سردی کا موسم نہ دیکھا ہو وہ باوجود اس کے اخروٹ، بادام جیسا میوہ سرد موسم کے آنے سے پہلے اپنی خوراک کے لئے اکٹھا کرتا ہو اس کا یہ فعل کسی نامعلوم قوّت یا جبلّت کی بِناء پر ہے نہ کہ اس کے ذاتی تجربہ یا ہدایت پر منحصر ہے۔

رُوحانی دُنیا سے متعلق رُوحانی حقائق بعض اشخاص کو چھٹی حِس سے حاصل ہوتے ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ چھٹی حِس خدائی الہام کی ایک لطیف صورت ہے جس کا تجربہ ہر مذہب، ہر تہذیب اور ہر سطح کے لوگ کرتے آئے ہیں۔

نفسیاتی تجربہ PSYCHIC EXPERIENCE

یہ ایک ایسا تجربہ ہے جس کی وضاحت کسی معروف قدرت کے قانون سے نہیں کی جا سکتی لہٰذا اسے مافوق الفطرت کہا جاتا ہے ایسے تجربے کو F S P یعنی دوسری دُنیا میں دیکھنے کی طاقت سے بھی موصوف کیا جاتا ہے۔ اِس سے اِنسان میں وہ باتیں جاننے یا بیان کرنے کی استطاعت حاصل ہوتی ہے جن کو ہمارے جسمانی حواس بیان نہیں کر سکتے نفسیاتی تجربہ کی مندرجہ ذیل مثالیں ملاحظہ فرمائیں :-

(۱) ایک شخص دِن کے وقت دُور کسی جگہ وقوع پذیر ہونے والے ایک حادثہ کو دیکھتا ہے اور پھر بعد میں اِس بات کا ثبوت مِل جاتا ہے کہ واقعتاً ایسا حادثہ اسی طرح ہُوا تھا ایسا تجربہ سونے کی حالت میں بھی ہوسکتا ہے۔

(۲) ہوش وحواس کی حالت میں ایک شخص کے سامنے ایک زندہ یا مُردہ دوست یا رشتہ دار کی شکل ظاہر ہوتی ہے اور اس سے باتیں کرتی ہے۔

(۳) ایک شخص اپنے باپ کی آواز یُوں سُنتا ہے گویا وہ اسے پکار رہا ہو اور پھر دریافت کرنے پر یہ بات سچ ثابت ہوجاتی کہ اسی لمحہ اسی موقع پر کوسوں دُور اس کے والد کی وفات ہوئی۔

(۴) ایک طالبِ علم امتحان کے پرچہ میں آنے والے سوالات کو خواب میں یاد کرلیتا ہے چند روز بعد وہ امتحان دیتا ہے اور دیکھتا ہے کہ بعینہٖ وہی سوالات اس پرچہ پر ہیں چنانچہ اسے جواب لکھنے میں کوئی دِقّت نہیں ہوتی۔

یہ چند گوناگوں نفسیاتی واقعات ہیں جو دُنیا میں ہر جگہ ہر قوم کے لوگوں میں رُونما ہوئے ہیں۔ امریکہ، برطانیہ میں نفسیاتی ریسرچ پر مبنی ہوئی سوسائٹیوں نے اتنی شہادتیں اکٹھی کی ہیں کہ نفسیاتی تجربات کو ثابت کرنے کے لئے وہ زبردست اور حتمی ثبوت ہیں لہٰذا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ نفسیاتی تجربات اور ذاتی تجربہ کے ذریعہ مختلف فطری قوانین اور غیب کے راز لوگوں پر کُھلے اور مسلّم الثبوت ہیں۔

رُوحانی تجربہ

رُوحانی تجربہ دراصل رُوح کو مکمّل طور پر ہلا دینے والا تجربہ ہے۔

نفسیاتی تجربے کے برعکس رُوحانی تجربہ خدا کی جانب سے نازل ہوتا ہے۔ نفسیاتی تجربے کا رُوح پر کوئی اثر نہیں ہوتا اگرچہ وہ رُوحانی تجربے سے بہت مشابہہ ہو مگر دونوں صورتوں میں انسان آوازیں سُنتا ہے یا دُور کسی جگہ پر مقیم شخص کو دیکھتا یا اس کے بارہ میں علم حاصل کرتا ہے یا بعض صورتوں میں وہ رُوحوں سے ملاقات کرتا ہے حتّٰی کہ مستقبل میں ہونیوالے واقعات کا بھی علم حاصل ہوتا ہے۔ رُوحانی تجربے میں اکثر یُوں ہوتا ہے کہ "خدائی آواز" سُنائی دیتی ہے اور خدا کی موجودگی بِلا شُبہ محسوس ہوتی ہے۔ رُوحانی آنکھیں زمینی اُفق سے اُس پار دیکھتی ہیں جن سے لافانی کائنات کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔ نفسیاتی تجربہ کے برعکس رُوحانی تجربہ زیادہ پختہ ہوتا ہے اور یہ ہرگز کسی صورت میں انسان پر ہونیوالے اثرات کو کم نہیں کرتا۔ اِس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو یہ بصیرت حاصل ہوئی کہ اِس زمینی دُنیا کے علاوہ ایک دوسری حقیقی دُنیا بھی موجود ہے۔

اِنسانی اصلیّت

ہماری اصلیّت ایک لافانی رُوح ہے یا یُوں کہ جسم سے لگی ہوئی رُوح ہے۔ جسم تو جلد یا بدیر ختم ہو جاتا ہے مگر ہم اور ہماری اصلیّت کبھی نہیں مرتی۔ ہم ایک رُوح ہیں جس کو جسم ملا ہؤا ہے نہ کہ ایک جسم جس کو رُوح ملی ہوئی ہے۔ دیکھنے، جاننے اور اپنے آپ کو سمجھنے کے لئے ہمیں اپنی آنکھیں اندر کی طرف لگائے رکھنی چاہئیں۔ اگرچہ دونوں آپس میں ملے ہوئے ہیں لیکن ہمارے جسم اور رُوح کی ماہیئت ہمارے جسم پر نہیں ماسوا اِس کے کہ رُوح یا ہمارا اصل حمل کے دَوران رحم میں پرورش پاتا ہے۔ رُوح کی پَیدائش ایک ایسا موضوع ہے جس پر سیر حاصل بحث بانیٔ جماعت احمدیہ حضرت مرزا

غلام احمد صاحب نے اپنی مشہورِ زمانہ تصنیف "اِسلامی اصول کی فلاسفی" یں کی ہے
ہماری رُوح یعنی ہماری اصلیت ہمارے جسم کے مرنے کے بعد اسی طرح زندہ رہتی
ہے جس طرح اس کے گزرنے کے بعد، گویا دوسرے لفظوں میں ہم لافانی ہیں۔

مقصدِ حیات

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (۵۱ : ۵۷) عبادتِ الٰہی صرف دُعا
یا گیان دھیان تک ہی محدود نہیں بلکہ یہ ہر انسانی خیال، لفظ اور عمل پر حاوی ہے کیونکہ
ہم جو کچھ بھی سوچتے یا خدا کی خاطر کرتے ہیں وہ عبادت ہی کا عمل ہے۔

اگرچہ ہمارا تعلق اِس دُنیا سے ہے لیکن ہماری زندگی کا مدّعا اپنی ذاتی طہارت
ہونا چاہیئے اپنی زندگی کا مقصد مسلسل دعا اور مسلسل کوشش سے اپنے کردار کے اندر
خدائی صفات کے ظہور سے کرنا چاہیئے۔ مقصد بہت عظیم ہے اور کام بھی بہت کٹھن ہے
لیکن اِس ضمن میں کی ہوئی کوشش کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ ہمیں کمزوریوں اور ناکامیوں
کے باوجود نا امّید نہیں ہونا چاہیئے بلکہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے الفاظ میں ان
سے حوصلہ پانا چاہیئے۔ آپ فرماتے ہیں :-

"اِسلام انسان کو نا امیدی سے نجات دلاتا ہے اور اسے بتاتا
ہے کہ وہ اپنی غلطیوں اور کمزوریوں کے باوجود ذہنی پاکیزگی
اور اعلیٰ کردار حاصل کر سکتا ہے جو انسان کا عظیم مقصد ہے چنانچہ
اِسلام انسان کو نیکی اور پاکیزگی کے حصول کے لئے مسلسل
سعی کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور یُوں اسے اپنے مقصد

کے حاصل کرنے کے قابل بناتا ہے۔"

سچی خوشحالی ذاتی پاکیزگی میں ہے جو کہ ہمارا زندگی کا اصل مدّعا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے :۔

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَکّٰی (۸۷ : ۱۵)

حضرت علیؓ نے مقصدِ حیات کو یُوں خوبصورتی سے بیان کیا ہے :۔

" ایک دانا آدمی کی ہر مصروفیت اپنی اِصلاح ہونی چاہیئے
اس کی تمام فکریں آخرت کے لئے اور اس کی تمام کوششیں
آنے والی زندگی کی بہتری کے لئے ہونی چاہئیں۔"

اِس دُنیا میں ہماری زندگی اُخروی زندگی کے سفر کا آغاز ہے۔ مرنے کے بعد ہمارا جسم اور ہڈیاں تو یہیں گلنے سڑنے کے لئے رہ جائیں گی اور ہم خود اگلی دُنیا کی طرف سفر کر جائیں گے اور وہ ایسی حقیقی دُنیا ہے جیسی کہ یہ دُنیا اور اس کے اَن گنت کُرّے جو فضا میں چکّر لگا رہے ہیں۔ زندگی مختصر ہے اور تیاری کے لئے وقت بہت ہی مختصر۔ کوئی بھی گزرا ہوُا لمحہ واپس نہ آئے گا۔ حضرت مسیح موعود نے فرمایا ہے کہ :۔

" انہیں کس نے کہا ہے کہ زندگی لمبی ہے۔ موت کا کوئی
موسم نہیں یہ تم پر کسی بھی وقت آ جائے چنانچہ ہمیں ہر گھڑی
کی قدر کرنی چاہیئے یہ وقت دوبارہ نہ آئے گا۔"

ہمارا اندرونی وجود لافانی ہے اِس لئے ہمیں آئندہ زندگی کی فکر کرنی چاہیئے نہ کہ ہماری نظر اس جہان پر رہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رُوحانی حقائق سمجھنے کی ہمّت دے اور اس مادی دُنیا میں زندگی کا مقصد کامیابی سے پورا کرنے کی توفیق دے۔ اے

خدا تُو ایسا ہی کر۔

رُوحانی جسم

ہم اپنی دماغی قوّت سے رُوح کے اسرار کو نہیں سمجھ سکتے لیکن اِس میں ذرّہ بھر بھی شک نہیں کہ ہر انسانی جسم میں رُوح موجود ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی کتاب قرآن مجید میں اِس کی تصدیق فرمائی ہے جو دوسری تمام الہامی کتب سے زیادہ اِس موضوع پر روشنی ڈالتا ہے۔

ہر انسان اس دنیوی جسم کی طرح ایک اَور جسم رکھتا ہے جو موت کے بعد رُوح کا عارضی مسکن ہو گا یہ لطیف جسم اس مادی جسم سے موت سے قبل بھی علیحدہ ہونے کی خاصیّت رکھتا ہے اور ہزاروں افراد اس وقت موجود ہیں اور ہر زمانہ میں رہے ہیں جو اِس بات پر شہادت دینے کو تیار ہوں گے۔ ہمارا اصل نہ چُھوئے جانے والا رُوحی جسم ہے جو ہمارے دُنیوی جسم میں رہتا ہے اور اس رُوحی جسم کے اندر ہماری ابدی زندگی کا مرکزی نقطہ ہے یعنی ہماری رُوح۔

نیند کی حالت میں رُوح جسم سے الگ ہو جاتی ہے اور اس سفر کے دَوران پوری طرح حاضر ہوتی ہے جاگنے سے قبل یہ جسم میں واپس آجاتی ہے اور عموماً انسان کو یاد نہیں رہتا کہ سونے کی حالت میں کیا ہؤا تھا لیکن بعض اَوقات کچھ یاد رہ جاتا ہے اور انسان اس کو بیان کرسکتا ہے۔ ایک گمنام شخص نے برطانیہ کے شہر پلی متھ PLYMOUTH سے یہ بات لکھی:۔

"مَیں نے یکلخت محسوس کیا کہ میں اپنے جسم سے اُوپر ہوں اور بالکل

اُوپر سے اُسے دیکھ رہا ہوں۔ یہ جسم روشن دن کی طرح بستر پر پڑا ہوُا تھا۔ مَیں نے اپنے چہرہ کو خاص طور پر دیکھا اور تعجّب کیا کہ مَیں اپنے آپ کو ایسے دیکھ رہا ہوں جس طرح دوسرے لوگ مجھے دیکھتے ہیں۔ یہ تجربہ بالکل حقیقی اور یقینی تھا اس میں خیال یا وہم کا کوئی دخل نہیں اور مَیں جانتا ہوں کہ یہ واقعہ بالکل حقیقت تھا۔"

(THE PHENOMENA OF ASTRAL PROJECTION)

ایک دوسرا مصنّف بروس بیل فراج BRUCE BELFRAGE . اپنی سوانح عمری میں لکھتا ہے :۔

"مَیں ایک مُوذی مرض میں مبتلا ہو گیا جس کی وجہ سے مَیں قریباً ختم ہو گیا ایک رات مَیں اپنے جسم سے آزاد ہو گیا اور اسے بستر پر سکتہ کی حالت میں دیکھا یہ حالت بالکل قدرتی لگتی تھی اور اس تجربہ سے مجھ پر ثابت ہو گیا کہ جسم اور رُوح بالکل الگ الگ ہیں اور میری حقیقت یعنی میری رُوح کبھی نہیں مر سکتی۔"

رُوح کے جسم سے باہر نکل جانے کے تجربات لوگوں کو صرف سونے کی حالت ہی میں نہیں ہوئے بلکہ بعض بیماروں کو ایسے تجربے دوائی کے زیرِ اثر بیہوش ہونے کی حالت میں بھی ہوئے۔ ایک مصنّف فن لے J.A. FINDLAY نے اپنی کتاب لکنگ بیک LOOKING BACK میں لکھا ہے کہ :۔

"ایک عورت جس کی دیانت داری اور راست بازی پر ذرّہ بھر بھی شُبہ نہیں ہو سکتا اس نے مجھے بتلایا کہ ایک دفعہ جب وہ ANAESTHETIC

بیہوشی کی دوائی کے زیرِ اثر تھی تو اس نے آپریشن کے میز پر اپنے جسم کو اُوپر سے دیکھا۔ وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ بھلا ڈاکٹر اور نرسیں کیا کرتی ہیں لیکن وہ بات جس پر سرجن کو واقعہ معلوم ہونے پر بہت حیرانگی ہوئی وہ یہ تھی کہ اس عورت نے ڈاکٹر کو اس کے پیٹ کے اندر وہ کچھ کرتے دیکھا جو ویسے دیکھنا بالکل محال تھا۔"

ایسے لوگ ہماری روزمرّہ زندگی میں ہمیں ضرور ملیں گے جنھوں نے بیہوشی کی حالت (ANAESTHESIA) میں اپنے آپ کو جسم سے باہر دیکھا اسی طرح بہت سے بیمار اور قریب المرگ اور صحت مند لوگ ملتے ہیں جنہوں نے ان حالتوں کو دیکھا۔ یہ واقعات ذہن کا اختراع نہیں بلکہ حقیقی واقعات ہیں۔ ہزاروں واقعات کتابوں میں ملتے ہیں جو قرآن پاک کی تعلیم کے عین مطابق ہیں۔ لاریب خدا تعالیٰ نہ صرف موت کے وقت بلکہ زندگی میں بھی انسان کی رُوح کو اپنے پاس لے جاتا ہے۔ قرآن مجید میں کیا خوب آیا ہے :۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ

(٦ : ٦٢)

پھر ایک اَور جگہ ارشاد ہُوا :۔

وَالَّتِىْ لَمْ تَمُتْ فِىْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِىْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ (۳۹ : ۴۳)

یہ موضوع بہت ہی دلچسپ ہے کیونکہ اِس سے ہماری رُوحانی نظر تیز ہوتی ہے ہمیں

اپنے آپ کو حقیقی صداقت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور عالم الغیب پر یقین کو مضبوط کرتی ہے۔

ہماری نظروں کے سامنے رُوح کی جسم سے علیحدگی

بہت سے ایسے لوگ دُنیا میں اِس وقت موجود ہیں جو اِس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ انہوں نے ایک شخص کی وفات کے وقت اس کی رُوح کو جسم سے نکلتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ بلاشُبہ اِس قِسم کے واقعات غیر معمولی ہیں لیکن نفسیاتی اور روحانی واقعات غیر معمولی ہی ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے فرشتوں کو دیکھا لیکن کوئی مُتّقی مسلمان اِس وجہ سے ان کے دعوے کو رَدّ نہیں کرے گا کہ یہ غیر معمولی ہونے کے باعث ناقابلِ یقین ہے۔ کبھی نہ کبھی لوگ فرشتوں کو ایک نظّارہ کی حالت میں دیکھ لیتے ہیں اگرچہ ہم ایسے فطری قوانین سے آگاہ نہیں جن کی وجہ سے لوگ فرشتے دیکھتے ہیں نہ ہی ہم ان قوانین سے آگاہ ہیں جن کی بِناء پر لوگ موت کے وقت جسم سے رُوح کو علیحدہ ہوتے دیکھتے ہیں لیکن محض سمجھ نہ آنے کی بِناء پر ایسے واقعات کو رَدّ کر دینا کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔

ایک مصنّف مسٹر ایف ایل راسن (RAWSON) اپنی کتاب "لائف انڈرسٹوڈ" (LIFE UNDERSTOOD) میں لکھتا ہے:۔

"لوئیسا اسکاٹ اپنی کتاب "لِٹل ومن" (LITTLE WOMEN) میں بیان کرتی ہے کہ اس کی بہن "برتھا" کی وفات کے وقت کِس طرح خفیف دھوُاں اس کے جسم سے نکلا اور غائب ہو گیا۔ ڈاکٹر نے اسے بتلایا کہ

یہ اس کا وہم ہرگز نہیں تھا بلکہ حقیقت میں زندگی نے الوداع کہا تھا۔
شکاگو کے "مرسی ہسپتال" کے ڈاکٹر پیٹرک ڈینیل (PATRICK O'DANIEL) نے اِس واقعہ کو تصویر کی صورت میں محفوظ کر لیا تھا۔"

ایک دوسرا ڈاکٹر رابرٹ کروک ہال (ROBERT CROOKHALL) اپنی کتاب INTIMATIONS OF IMMORTALITY میں لکھتا ہے کہ ڈاکٹر ہوٹ نے بھی اپنی خالہ کی رُوح کو موت کے وقت جسم سے جُدا ہوتے دیکھا۔ مسز سینل جو ایک نرس تھی اس نے بیان کیا کہ " ایک روز اس کی سہیلی کو قے آئی اور وہ میرے بازوؤں میں ڈاکٹر کے آنے سے قبل وفات پا گئی۔ یہ پہلی موت تھی جو میرے ہاتھوں میں ہوئی۔ اس کے دِل نے حرکت کچھ ہی لمحہ پہلے بند کی تھی کہ مَیں نے صاف صاف بخارات کی صورت میں اس کے جسم سے رُوح کو اُوپر جاتے دیکھا اور پھر کچھ فاصلے پر جا کر وہ رُک گئی اور اس نے ایسی صورت اختیار کر لی جو بالکل میری سہیلی کے جسم سے ملتی جُلتی تھی۔ اس کے بعد جب مَیں نرس بن گئی اور یہ پیشہ مَیں نے بیس سال تک رکھا مَیں نے اَور بھی بہت سی اموات دیکھیں اور ہر موت کے بعد مَیں نے جسم کے اُوپر بخارات کی صورت میں جسم کو دیکھا جو اصلی جسم سے بالکل مشابہہ تھا۔"

حضرت مرزا غلام احمد صاحب بانیٔ جماعت احمدیہ نے کئی بار وفات یافتہ رُوحوں سے مکالمہ کیا۔ آپ اپنی یادگار تصنیف "اِسلامی اصول کی فلاسفی" میں فرماتے ہیں:۔

"مَیں اِس میں صاحبِ تجربہ ہوں۔ مجھے کشفی طور پر عین بیداری میں بارہا بعض مُردوں کی ملاقات کا اِتفاق ہُوا ہے اور مَیں نے بعض فاسقوں اور گمراہی اختیار کرنیوالوں

کا جسم ایسا سیاہ دیکھا کہ گویا وہ دھوئیں سے بنایا گیا ہے۔ غرض
مَیں اِس کُوچہ سے ذاتی واقفیت رکھتا ہُوں اور مَیں زور
سے کہتا ہوں کہ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے ایسا ہی ضرور
مَرنے کے بعد ہر ایک کو ایک جسم ملتا ہے۔ خواہ نورانی خواہ
ظلمانی۔"

جانے والی رُوحیں اور پچھلی زندگی

ہماری رُوح ایک جیتی جاگتی حقیقت ہے اور قرآن مجید ہمیں یاد دلاتا ہے کہ موت
کے بعد آنے والی زندگی میں ہماری روح اس مادی دُنیا کے تمام واقعات کو یاد رکھے گی
کافر اور بدکار لوگ خدا سے درخواست کریں گے کہ انہیں اِس دُنیا میں خدا کی خوشنودی
اور نیک کام کرنے کے لئے دوبارہ بھیجا جائے۔ اگر ان کو یہ دُنیا یاد نہ رہتی تو وہ دوبارہ
آنے کی خواہش کیونکر کرتے۔ مندرجہ ذیل آیتِ کریمہ پر غور فرمائیں :-

- حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝ لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ

(۲۳ : ۱۰۰، ۱۰۱)

- فَقَالُوْا یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝

(۶ : ۲۸)

مندرجہ بالا آیاتِ کریمہ کے علاوہ قرآن مجید میں اور بھی آیات اِس موضوع پر موجود
ہیں۔

رُوح کا سفر TRANSITION OF SOUL

رُوح ہماری زندگی کا مرکزی نقطہ ہے جو اپنی حقیقت کا اظہار ایک جسم کے ذریعہ اِس دُنیا میں اور آنے والی دُنیا میں کرتی ہے جس طرح رُوح کے لئے ایک جسم ضروری ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد یہ کس جسم میں رہے گی ؟ اس کا جواب رُوحانی جسم یا نہ نظر آنے والا جسم ETHERIC BODY ہے جس کی چمک کا انحصار موت کے وقت رُوح کی حالت پر ہے بہرحال رُوح اِس جسم میں ہمیشہ کے لئے نہیں رہے گی۔

اِسلام ہمیں یہ سکھلاتا ہے کہ مادّی جسم کے مرنے کے بعد رُوح میں ایک تبدیلی آتی ہے۔ اِس کی مثال ایک عورت کے رِحم کے اندر مَنی کے قطرے کی طرح ہے جو پرورش پانے کے بعد ایک جسم بنتا اور پھر ایک مکمّل بچّہ بن جاتا ہے اسی طرح رُوح بھی مَنی کے ایک قطرے کی طرح ہے جس کا عارضی گھر عورت کے رِحم کی طرح ہے جو قیامت کے روز ایک نئی صورت میں اُٹھائی جائے گی یہ جسم اَب ایک نئی رُوح رکھتا ہے جیساکہ ایک نوزائیدہ بچّہ کی صورت اور ذہنی حالت کا اِنحصار مَنی کے قطرے میں موجود خوبیوں پر ہے اسی طرح نئے رُوحانی جسم کا انحصار بھی اِس جسم سے جاتے وقت رُوح کی حالت پر ہے۔ اِس کی ایک اَور مثال یہ ہے کہ جس طرح بچّہ بڑھتا اور جوان ہوتا ہے اسی طرح نیا جسم پرورش پاتا ہے اور جب قیامت کے روز یہ عمل پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گا تو جنّت اور جہنّم کے دروازے پوری طرح کھول دیئے جائیں گے۔

خدا تعالیٰ رحیم ہے اور اسی رحیمیت کی صفت کے مطابق اس نے یہ قانون بنایا ہے کہ جہنّم کی سزا ہمیشہ کے لئے نہیں ہو گی جس طرح مجرم اِس دُنیا میں سزا پاکر جیل سے رہا ہوتے ہیں اسی طرح بدکار لوگ جہنّم سے نجات پائیں گے اور پھر جنّت میں داخل کئے جائیں گے جہاں انہیں تمام نعمتیں ملیں گی اور ان نعمتوں کے مدارج اَن گنت ہیں۔ خدا تعالیٰ قرآنِ پاک میں فرماتا ہے :۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ

(۴۶ : ۲۰)

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا۔

(۱۷ : ۲۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جنّت کے بہت سے مدارج ہیں۔ اللہ نے ان کو ایسے لوگوں کے لئے تیار کیا ہے جو اس کے راستہ میں جدّ و جُہد کرتے ہیں اور ہر درجہ کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ زمین اور آسمان کے درمیان۔

اِسلام ہمیں یہ سکھلاتا ہے کہ ایک مسلمان کبھی بے فِکر نہ ہو جائے کہ اس نے اِس دُنیا میں کافی نیک کام کر کے جنّت میں مقام حاصل کر لیا ہے یہ خیال کرتے ہوئے کہ انسان فانی ہے اسے اپنی ترقّی کے لئے پورے خلوص سے سعی کرنی چاہیئے اسے جسمانی خواہشات کو نیک کاموں کے درمیان حائل نہیں ہونے دینا چاہیئے۔ خدا ہمیں شیطان کے بُرے ارادوں سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین

○

۱۳

کائنات میں خدائی صداقتوں کا ظہور

قرآنِ مجید میں ارشاد ہوا ہے :-

اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۱۴ : ۱۱)

کیا تم اس خدا کے بارہ میں شک کرتے ہو جو کہ زمین و آسمان کا بنانے والا ہے۔

قارئین! مَیں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ کسی اندھیری رات باہر کھلے آسمان کے نیچے پیدل چلیں اور دیکھیں کہ روشنی کی کتنی شمعیں آسمان کی زینت ہیں آپ دیکھیں گے کہ یہ کائنات کا صرف ایک چھوٹا سا کونہ ہے جبکہ اس کی وسعت اور اس میں مخفی عجائبات ہمارے ادراک سے بالا ہیں ہم جتنا کائنات کے رازوں اور عجائب پر غور کرتے ہیں اتنا ہی زیادہ اس میں خدا کی لاتعداد قدرتوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ستاروں بھری رات خدا کو یاد کرنے کے لئے ایک نہایت ہی موزوں موقع ہے۔

ہماری کائنات خلاء کے ایک وسیع سمندر میں بسی ہوئی ہے۔ ہم جتنا زیادہ رات کو آسمان کی گہرائیوں پر نظر دوڑاتے ہیں تو اتنا ہی زیادہ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ خلاء نہ ختم ہونے والی چیز ہے وجہ یہ ہے کہ درحقیقت خلاء کچھ بھی نہیں یہ کچھ نہ ہونے کا نام ہے چونکہ یہ کچھ نہیں اِس لئے اِس کی کوئی حد بھی نہیں یہ بغیر حدود کے ہے اگر خلاء کی

کوئی حد ہوتی تو پھر کہیں نہ کہیں ختم ضرور ہوتی اور اگر ختم ہو بھی جاتی تو اس کی آخری حد پر کیا ہوتا ہے یا تو اس کی آخری حد پر ضرور کچھ ہوتا یا بالکل کچھ نہیں اگر کچھ ہے تو پھر یہ کچھ جگہ گھیرے ہوئے ہے اور اگر کچھ بھی نہیں تو خلاء کی آخری حد پر ہم ابھی پہنچے نہیں جُوں جُوں ہم اِس حقیقت پر غور کرتے ہیں صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خدا لافانی ہے اور نہ ختم ہونے والا ہے۔ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔

ہماری توجّہ اِس بات کی طرف بھی مبذول ہوتی ہے کہ رُوح کی زندگی بھی لافانی ہے۔ یہ ایک درجہ سے دوسرے درجہ کی طرف ترقّی کے راستہ پر مسلسل گامزن ہے۔ مومنوں کی رُوحوں کی آنے والی زندگی کے بارہ میں اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں بیان فرماتا ہے:-

نُوْرُھُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَبِاَیْمَانِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْلَنَا۔ (۶۶:۹)

تصوّر سے بالا کائنات

اگرچہ کائنات کی اپنی حدود ہیں مگر اس کی کارِ عجیب اور وسعتوں کی گہرائی انسانی سمجھ سے بالا ہے۔ خلاء کے برعکس مادّہ کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ بغیر حد کے ہو۔ خلاء کی گہرائیوں میں دُور کہیں سب سے دُور مقیم سیّارہ ہے جو بڑے سے بڑے سائنسی آلات جو کہ کائنات میں تلاش کے لئے استعمال ہوتے ہیں اس کی پہنچ سے بھی باہر ہے۔

ستاروں کے درمیان فاصلہ اور ہم سے ان کا فاصلہ اتنا زیادہ ہے کہ اس فاصلہ کو میلوں میں گِننا ناممکن ہے یہ فاصلہ نُوری سالوں میں گِنا جاتا ہے۔ یہ بات ہر کوئی جانتا ہے

کہ روشنی ۸۶,۰۰۰ ,۱ میل فی سیکنڈ سفر کرتی ہے اور ہم سے قریب ترین ستارہ سوا چار نوری سالوں کے فاصلہ پر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ روشنی کو اس ستارہ سے ہماری دُنیا تک آنے کے لئے سوا چار سال لگتے ہیں میلوں میں اگر حساب لگائیں تو وہ قریباً ۲۵ ملین میل کا فاصلہ بنتا ہے۔ اتنے بڑے فاصلہ کو ذہن میں لانے سے ہمارے دماغ پر بوجھ پڑتا ہے لیکن یہ فاصلہ ان ستاروں کے مقابلہ میں بہت کم ہے جو کائنات کے دُور کونوں میں جگمگا رہے ہیں۔ دُنیا میں اِس وقت عظیم الشّان دُوربین ہے جو ایسے ستاروں کے جُھرمٹ کو دیکھ سکتی اور ان کی تصویر بنا سکتی ہے جو چار ہزار ملین نوری سال کے فاصلہ پر ہیں اور اب ایسی ریڈیو ٹیلی اسکوپ بھی موجود ہے جو چھ ہزار ملین نوری سال سے تعلق پَیدا کر سکتی ہے۔ یہ ٹیلی اسکوپی فاصلے یقیناً ہمارے دماغوں کو چکرا دیتے ہیں۔

ستاروں بھرے آسمان کی طرف ہم جو نگاہ دَوڑاتے ہیں اور دُنیا کے عجیب عجیب رازوں پر غور کرتے ہیں تو ہمارا ذہن اللہ تعالیٰ کی اس صفت کی طرف جاتا ہے کہ اللہ لطیف ہے یعنی تصوّر میں نہ آنے والا۔

سُورج

سُورج ہر وقت چمکتا ہے لیکن رات کے وقت نظر نہیں آتا کیونکہ یہ زمین کے اُس حصّہ کی طرف ہوتا ہے جسے ہم دیکھ نہیں سکتے بہر حال رات کے وقت بھی ہم اس کی روشنی چاند اور دوسرے سیّاروں میں منعکس ہوتی دیکھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ بھی اسی طرح اپنے نیک اور صالح بندوں کے ذریعہ ظاہر ہوتا ہے یہ برگزیدہ بندے خدا کی روشنی کو اسی طرح منعکس کرتے ہیں جس طرح چاند اور دوسرے سیّارے سُورج کی روشنی کو منعکس کرتے

ہیں۔خدا تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر خدا کی روشنی میں مکمّل طور پر نہائے ہوتے ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ ہر خدائی پیغمبر خدا کی روشنی کو اپنے رُوحانی مرتبہ کے مطابق ہی منعکس کرتا ہے۔

وینس VENUS سیّارہ زمین سے قریب ترین سیّارہ ہے اور دوسرے سیّاروں کی نسبت زیادہ چمکتا ہے ہم جُوں جُوں اس چمک دار سیّارہ پر نظر دوڑاتے ہیں ویسے ویسے ہم خدا کی صفات میں مگن ہو جاتے ہیں کیونکہ یہی صفات خدا کے نیک بندوں میں بھی عیاں ہوتی ہیں۔ہمیں بار بار یہ نصیحت کی جاتی ہے کہ خدا کی صفات کے نور کو ہمیں اپنے عمل، قول اور سوچ کے ذریعہ اپنی زندگیوں میں پھیلانا چاہیئے۔ ہمیں کائنات کی روشنی میں مرقّع ہونے کی خواہش کرنی چاہیئے اور نیکی کے عطر اور خوشبو کو اپنے اندر پیدا کرنا چاہیئے جو کہ دُنیا کے قیمتی ترین عطروں سے زیادہ خوشگوار عطر ہے۔ بھائی عبدالرحمٰن صاحب نے بانیٔ جماعت احمدیہ کی رُوحانی کشش کو درج ذیل الفاظ میں یوں بیان کیا ہے :۔

"ان دِنوں آپ کے چہرہ مبارک پر روشنی کا ایک ہالہ چھائے رہتا تھا۔ آپ کے اندر سے پھُوٹتی روشنی چہرہ پر منعکس ہوتی جس سے سکون کا پتہ چلتا۔یہ روشنی گویا ایک چمکدار رُوحانی نور تھا جو آپ کے چہرہ پر چمکتا تھا۔"

اِسی طرح ایک اور رفیق منشی محمد اروڑا بیان کرتے ہیں :۔

"آپ (حضرت مرزا غلام احمد صاحب) کا چہرہ اس قدر نورانی اور رُوحانی روشنی سے منوّر تھا کہ مَیں نے ایسا چہرہ ساری عمر کسی کا نہیں دیکھا۔یہ نور اور آپ کی مقناطیسی شخصیت

میرے لئے آپ کے ماننے کے لئے زبردست دلائل تھے۔ ہم
اِس موقع کی تلاش میں رہتے کہ آپ کے منوّر چہرہ کی
ایک جھلک پا سکیں۔"

وہ لوگ جن میں ایسا رُوحانی نور پایا جاتا ہے وہ دوسروں میں جن میں ایسا نور ہوتا ہے جلد پہچان لیتے ہیں ایسے رُوحانی نور میں زبردست مقناطیسی قوّت ہوتی ہے جو ایک جیسی شخصیّتوں والے افراد کو آپس میں ملا دیتی ہے۔ لوگوں کے ہجوم میں اگر دو ایسے اشخاص موجود ہوں تو وہ جلد ہی ایک دوسرے کی طرف بے اختیار کھنچے چلے آئیں گے جس سے یہ مقولہ سچ ثابت ہوتا ہے کہ "کُند ہم جنس با ہم جنس پرواز"۔

سُورج ہمارے شمسی نظام کا مرکزی نقطہ ہے۔ زمین پر زندگی کا سارا اِنحصار سُورج کی حرارت پر ہے اگر سُورج نہ ہوتا تو اِس کُرّۂ زمین پر زندگی کا کوئی نام ونشان نہ ہوتا۔ زمین سُورج کے بغیر گویا ایک محرّک گیند ہوتی جو خلاء میں گھومتی رہتی۔ یہی حال دوسرے سیّاروں کا ہوتا شاید وہ کسی دُور ستارہ کا سیٹیلائٹ بن جاتے۔ سُورج اس کے گرد موجود سیّاروں کے بغیر زندہ رہ سکتا ہے مگر سیّارے اس کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ سُورج شمسی نظام کا مرکزی نقطہ ہے اِسی طرح خدا تعالیٰ بھی اِس کائنات کا مرکزی نقطہ ہے۔ سُورۃ فاتحہ میں آیا ہے کہ رَبّ العٰلمین یعنی تمام جہانوں کا مالک اور آقا۔

جس طرح سیّاروں کا اِنحصار سُورج پر ہے اسی طرح ہر چیز کا اِنحصار خدا پر ہے اور جس طرح سُورج سیّاروں پر منحصر نہیں اسی طرح خدا کسی دوسری چیز پر منحصر نہیں۔ ہمارا شمسی نظام یہ حقیقت بہت وضاحت سے بیان کرتا ہے اور قرآن مجید میں ارشاد ہوُا ہے لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ (۱۱۲:۴) نہ اُس کو کسی نے جنم دیا اور نہ اُس نے کسی کو جنم دیا۔

سُورج کی ماہیّت دوسرے سیّاروں کی نسبت جو اس کے گرد ہر وقت گھُومتے رہتے ہیں بہت مختلف ہے۔ سیّارے بڑے بڑے پتھّروں اور دھاتوں سے بنے ہیں جبکہ سُورج جلنے والی گیس سے بنا ہُوا ہے یہ حقیقت ہمیں بتلاتی ہے کہ خدا بھی اپنی مخلوق سے مختلف ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہُوا ہے وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (۵:۱۱۲) نظامِ شمسی میں سُورج ہی وہ واحد چیز ہے جو اپنے لئے روشنی خود ہی پَیدا کرتا ہے دوسرے سیّارے صرف اس کی روشنی کو منعکس کرتے ہیں اِسی طرح تمام نُور اللہ تعالیٰ سے پَیدا ہوتا ہے اور اس کی مخلوق کے ذریعہ منعکس ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں کیا خوبصورتی سے یہ حقیقت بیان ہوئی ہے اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ (۳۶:۲۴) -

سیّارے

ہماری زمین سُورج کے گِرد گھومنے والے نو سیّاروں میں سے ایک ہے۔ انکی مثال خدا کے انبیاء سے دی جا سکتی ہے کیونکہ جس طرح سیّارے سُورج کی روشنی سے چمکتے ہیں اسی طرح خدا کے نبی بھی اس کی روشنی سے منوّر ہوتے ہیں۔ جس طرح سیّارے اپنے محور سے ذرا بھی اِدھر اُدھر نہیں ہوتے اسی طرح خدا کے انبیاء بھی نیکی کے راستہ سے اِدھر اُدھر نہیں ہوتے۔ ارشادِ ربّانی ہے :-

لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ (۲۱ : ۲۸)

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ (۳ : ۱۶۲)

انبیاء لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث کئے جاتے ہیں وہ اعلیٰ ترین رُوحانی رہنما ہوتے ہیں یہ کہنا کہ وہ بھی گناہ کرتے ہیں ان کی تذلیل ہے۔ بائیبل لکھنے والے مختلف مصنّفین نے

تو حد کر دی اور بعض انبیاء پر شراب پینے، قتل اور زنا کے الزام لگائے ہیں یہ سوچنا بھی محال ہے کہ مجرم اور زانی شخص دوسروں کو صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کر سکے میرے خیال میں ایک پادری اگر بدیوں میں ملوّث ہو تو اس کی کمیونٹی اس کا بائیکاٹ کر دے گی قرآن مجید نے انبیاء کو اِن الزاموں سے جو بائیبل میں پائے جاتے ہیں بالکل پاک وصاف قرار دیا ہے۔

۱۰

ہر سیّارہ اپنی مقررہ رفتار پر چلتا ہے اور اس کا انحصار اس کے سُورج سے فاصلہ پر ہے۔ اصول یہ ہے کہ اگر ایک سیّارہ سُورج سے جتنا قریب ہو گا اتنا ہی زیادہ اس کی گردش ہو گی اسی طرح جتنا ایک اِنسان اپنے خالق و مالک سے نزدیک ہو گا اتنا ہی زیادہ وہ رُوحانی طور پر ترقّی کرے گا۔

شہابِ ثاقب

آسمان پر اُوپر بہت دُور ہزارہا دُم دار ستارے سُورج کے گِرد گھوم رہے ہیں ان کو کائنات کی گرد COSMIC DUST اور کُوڑا کرکٹ کہا جاتا ہے۔ ان میں سے اکثر ریت کے ذرّے سے زیادہ وزنی نہیں یا بعض ان میں سے ذرا زیادہ بڑے ہیں۔ دُم دار ستارے ہماری زمین کی فضا میں لگاتار آتے رہتے ہیں لیکن جُونہی یہ کُرّۂ اَرض میں داخل ہوتے ہیں جَل کر خاک ہو جاتے ہیں۔ اِن سے بڑے سیّارے بعض دفعہ جب زمین کی طرف گِرتے ہیں تو بہت چمک اور روشنی سے جلتے ہیں۔ دُم دار ستارہ حقیقت میں زمین کی طرف فضا میں سے جلتا ہُوا آتا ستارہ ہوتا ہے حقیقت میں کوئی "شوٹنگ سٹار" نہیں ہوتا کبھی کبھار بڑے ستارے زمین تک پہنچ جاتے ہیں اور ان کو شہابِ ثاقب METEOR کہا

جاتا ہے۔ ہزاروں سال قبل امریکہ کی ریاست " اری زونا " میں ایک ستارہ آسمان سے گرا اور زمین میں چار ہزار فٹ چوڑا گڑھا پیدا کر دیا۔ ۱۹۰۸ء یعنی جس سال حضرت مسیح موعود کی وفات ہوئی اس سال سائبیریا میں بھی ایک بہت بڑا ستارہ گرا تھا۔ ورلڈ انسائیکلوپیڈیا میں اِس واقعہ کا ذکر یُوں آیا ہے :۔

" ایک آسمانی ستارہ جس کا وزن شاید کئی ٹن تھا سائبیریا کے جنگلوں میں ۱۹۰۸ء میں گرا۔ یہ علاقہ سائنسدانوں کی ایک خاص ٹیم نے ۱۹۲۸ء میں دیکھا اور بتلایا کہ ستارہ کے گرنے سے اِس قدر حرارت پَیدا ہوئی کہ اِردگرد کے تمام درخت جل کر خاک ہو گئے اور تیس میل کے علاقہ میں تمام پَودے فنا ہو گئے "۔

کائنات میں لکھوکھا ستاروں کی مثال ہم اِنسانوں سے دی جاسکتی ہے ہر دفعہ جب ہم آسمان سے گرتا ستارہ دیکھتے ہیں تو ہماری توجّہ اِس بات کی طرف مبذول ہو جاتی ہے کہ کِس طرح اِنسان بھی اللہ کے فضل سے اور قُرب سے بعض دفعہ دُور ہو جاتا ہے۔ ہماری توجّہ ہمیشہ اِس بات کی طرف رہے کہ ہم بھی کہیں یُوں خدا کے فضل سے دُور نہ ہو جائیں۔ کوئی بھی اپنے زوال کا آرزومند نہیں ہوتا اور یہ بات رُوحانی معاملات میں بھی اتنی سچّی ہے جتنی کہ سیاسی معاملات میں۔ صبر ایمان کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو کسی وقت اپنے مذہب کے سچّے پَیرو کار تھے مگر بعد میں شوق اور مذہبی لگن جاتا رہا اور وہ کسی بلند عمارت کی طرح گِر کر پیوندِ خاک ہو گئے ہم جب بھی آسمان سے کِسی ستارہ کو گرتا دیکھیں تو یہ دُعا ضرور پڑھیں اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے زنجبیل کا بڑا پیالہ پیا ہے کوئی شیطان کے اثر سے محفوظ نہیں۔ زنجبیل کا مطلب ادرک ہے اور قرآنِ مجید میں اس کا استعمال استعارہ کے طور پر ہوُا ہے جس کا مطلب ہے نہایت ہی مفید قوی رُوحانی شربت یا ٹانک جو مومنوں کو تمام مشکلات پر قابو پانے میں مدد دیتا ہے۔

چمکدار ستارے

مختلف ستاروں کی چمک مختلف ہوتی ہے بعض اتنے چمکدار ہوتے ہیں کہ وہ سُورج کی نسبت ہزار گُنا چمکدار ہیں۔ ریجل (RIGEL) جو ایک بڑا ستارہ ہے یہ سُورج کی نسبت اٹھارہ ہزار گُنا زیادہ چمکدار ہے لیکن اس کی چمک کیناپس (CANAPUS) ستارے کے سامنے کچھ بھی نہیں کیونکہ یہ سُورج سے اسّی ہزار گُنا زیادہ چمکدار ہے۔ آسمان پر ٹمٹماتے ہوئے ستارے شاید ہمیں اتنے چمکدار محسوس نہ ہوں لیکن سائنسدانوں اور ماہرینِ فلکیات کے بڑے بڑے آلات ان کی حقیقت ہم پر روزِ روشن کی طرح ثابت کر دیتے ہیں۔

فرض کریں کہ ہر ستارہ اس دُنیا کے ایک اِنسان کی طرح ہے بعض اتنے چمکدار ہوتے کہ وہ اپنی قسم کے آپ ہوتے۔ ان کی مثال ان انبیاء اور صوفیاء کی طرح ہے جو رُوحانی اُفق پر گاہے بگاہے نمودار ہوتے ہیں۔

ہماری دُنیا ایسے لوگوں سے بھری ہوئی ہے جن کو ستارے کہا جاتا ہے۔ بعض فِلمی دُنیا کے ستارے، بعض ڈرامہ کے فن کے ستارے اور کھیلوں کے ستارے ہیں اور پھر وہ خواتین جو اپنے اثر و رسوخ کی بناء پر سوسائٹی کے ستارے ہیں لیکن ان سے

بڑھ کر وہ ستارے ہیں جو رُوحانی دُنیا کے ستارے ہیں یہ کہنا بجا ہے کہ ایسے رُوحانی ستاروں کو دُنیا نہیں پہچانتی لیکن خدا ان کو جانتا ہے اور یہی بات تمام دوسری باتوں کی نسبت زیادہ قدر و منزلت رکھتی ہے۔

جن کا شمار رُوحانی ستاروں میں کیا جاتا ہے وہ بہت ہی حلیم طبیعت ہوتے ہیں اِس صدی کا سب سے زیادہ چمکدار ستارہ حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لیکر آج تک کوئی اس سے زیادہ چمکدار ستارہ پیدا ہی نہیں ہوُا۔ حضرت احمد پر خدا کا کلام بہت وافر اُترا کیونکہ آپ منتخب لوگوں میں سے ایک چُنے ہوئے فرد تھے باوجودیکہ آپ کا مرتبہ اِس قدر اعلیٰ تھا لیکن آپ حِلم کا ایک زندہ ثبوت تھے۔ آپ اپنی ایک نظم میں اپنے متعلق فرماتے ہیں ؎

کِرمِ خاکی ہُوں مِرے پیارے نہ آدم زاد ہُوں
ہُوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار

کائِنات کا آغاز

ہم جُوں جُوں کائنات کے رازوں سے آگاہ ہوتے ہیں سوال پَیدا ہوتا ہے کہ یہ اتنا عظیم مادّہ جس کے اَور بھی شمسی نظام ہیں کِس طرح وجود میں آیا؟ ہماری فِکر خلاء کے صرف اس کونہ سے ہے جس میں ہمارا شمسی نظام موجود ہے اور اس خلاء میں وہ ذرا سے دانے کے برابر ہے جس میں وہ رہتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دس لاکھ ضرب دس لاکھ ایٹم سے اتنا سا مادّہ بنتا ہے جس کو دیکھنا بھی مشکل ہے اور یہ کہنا ٹھیک ہے

کہ کائنات کے مقابلہ میں ہماری زمین صرف ایک ایٹم کے برابر ہے۔

آیئے ایک بار پھر کائنات کے عظیم وجود کا لیں۔ ہمارا شمسی نظام ستاروں کی عظیم گلیکسی GALAXY کا حصّہ ہے اور کہکشاں تو صرف اس کا ایک حصہ ہے ہر ستارہ جو آنکھ سے نظر آتا ہے وہ اس کہکشاں کی ایک اکائی ہے اور ہمیں دُنیا کے مانے ہوئے ماہرینِ فلکیات یہ بتلاتے ہیں کہ تین کھرب گلیکسی ہماری پہنچ کے اندر ہیں جن کو ہم ٹیلی اسکوپ سے دیکھ سکتے ہیں اور کون جانتا ہے کہ ان سے دُور کتنی اَور ایسی گلیکسی ہیں جن کو ہماری ٹیلی اسکوپ دیکھ نہیں سکتی۔

کائنات کیسے وجود میں آئی؟ قبل اِس کے کہ مادّہ نے کوئی صورت اختیار کی بے شک یہ کسی اَور صورت میں موجود تھا لیکن اِس مضمون میں ہم کائنات کی کیمسٹری کے موضوع پر خیالات کا اظہار نہیں کریں گے ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ مادّہ کی پیدائش کے پیچھے کونسا سبب تھا؟ اور یہ بھی حقیقت مسلّم الثبوت ہے کہ کسی نہ ہونے والی چیز سے کوئی ہونے والی چیز پیدا نہیں ہو سکتی یہ بات ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم یہ تسلیم کریں کہ اِس عظیم کائنات کے پیچھے ضرور کوئی زبردست طاقت موجود ہے۔

بہت سے سائنسدانوں اور فلکی ماہرین کے لئے مادّہ کا ماخذ ایک پیچیدہ مسئلہ بنا رہا ہے۔ پیٹرک مُور (PATRICK MOORE) ایک مشہور فلکی ماہر کا کہنا ہے کہ "جب ہم اِس مسئلہ پر غور کرتے ہیں کہ کائنات کا آغاز کیسے ہؤا تو اس کا جواب آسانی سے نہیں ملتا۔" ایک اَور فلکی ماہر ہائل (HOYLE) نے کہا ہے کہ "مادّہ یونہی ظہور میں آجاتا ہے اس کو تخلیق کہا جاتا ہے پھر ایک مرحلہ پر وہ تمام ایٹم جن سے مادّہ بنتا ہے ان کا کوئی وجود نہیں ہوتا اور کچھ عرصہ کے بعد وہ وجود پذیر ہو جاتے ہیں۔"

مذکورہ بالا ماہرین یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ خدا کائنات کا خالق ہے شاید وہ ملحد ہوں گے لیکن ذرا یہ ارشادِ قرآنی ملاحظہ ہو:۔

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِؕ وَاِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ۝ (۲ : ۱۱۸)

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ (۲ : ۱۰۷)

کون ہے جو چاند کی چمک اور اس کے حُسن سے مسحور نہیں ہوتا۔ ہمیں نیلے آسمان کے خیمے کے نیچے چلنا چاہیئے۔ کائنات میں ہر چیز ہم پر خدا کے اَوصاف عیاں کرتی ہے۔ خدا جو تمام جہانوں کا مالک ہے پس چاہیئے کہ ہم جتنی بار آسمان کی طرف دیکھیں ہماری توجّہ خدا کے اَوصاف کی طرف جائے۔ آمین یا ربّ العٰلمین۔

Zakaria Virk
P.O. Box 65, Kingston, ON
K7L 4V6 Canada

(۱۴)

ہماری اندرونی کائنات

قرآن مجید کی پہلی آیت کتنی معنی خیز ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ ہماری زمین کے اِردگرد کائنات اِتنی وسیع وعریض خلاء میں پھیلی ہوئی ہے کہ دُنیا کی بڑی سے بڑی دُوربین اس کے کناروں کا احاطہ نہیں کرسکتی اگرچہ بعض دُوربینوں سے سائنسدانوں نے ہزاروں بلکہ لاکھوں "لائٹ ایئر" دُور ستاروں کا پتہ لگایا ہے اور یاد رہے کہ روشنی ۱,۸۶,۰۰۰ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے سفر کرتی ہے۔ کائنات کی وسعت اور اس میں مدفون عجائبات انسان کی فہم سے بالا ہیں قرآن مجید میں کیا خوب ارشاد ہوا ہے کہ اللہ ہر چیز جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو۔ (۲ : ۱۲۷)

ہر ستارہ اور ہر کُرّہ کائنات میں ایک مخصوص محور پر گھوم رہا ہے۔ ہمارے اپنے شمسی نظام میں زمین اور اس کے آٹھ کُرّے سُورج کے گرد گھوم رہے ہیں اور وہ گلیکسی جس کا یہ حصّہ ہیں وہ بذاتِ خود بہت سارے آسمانی کُرّوں سمیت خلاء میں ایک مرکزی نقطہ کے گرد چھ لاکھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھوم رہی ہے اور اس گلیکسی کا محیط (یعنی گردش کا دائرہ) اِس قدر وسیع ہے کہ ۲۵۰ ملین

سالوں میں یہ ایک دفعہ مکمّل طور پر گردش کرتی ہے۔ یہ اتنی بڑی گلیکسی جو خلاء میں اتنی بڑی جگہ گھیرے ہوئے ہے دس کروڑ (TRILLION) گلیکسی میں سے ایک ہے۔ آج سے چودہ سو سال قبل عرب کے صحرا میں خدا نے اپنے ایک عظیم بندے کو یہ حقیقت بتلائی کہ خلاء میں موجود ہر کُرّہ گردش کر رہا ہے۔ فرمایا :۔

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝ (۳۶ : ۴۱)

آج دُنیا کی توجّہ خلاء میں جُستجو اور کائنات کے عجائب کو جاننے کی طرف لگی ہوئی ہے۔ ہم اِس چیز کو بُرا نہیں کہتے مگر یہ بات قابلِ افسوس ہے کہ انسان کے اپنے اندر جو کائنات موجود ہے اس کی طرف کم توجّہ دی جا رہی ہے۔ یہ اندر کی کائنات وہ ہے جو ہمیشہ قائم رہنے والی ہے دُنیوی کائنات چاہے کتنی بڑی اور پُرکشش ہو یہ تو صرف عارضی گھروندا ہے جس میں زندگی چند لمحات کے لئے بسر ہوتی ہے کائنات کی زندگی میں چند سال کیا اہمیّت رکھتے ہیں ؟ ابدیّت کے مقابلہ میں اس کی اہمیّت کیا ہے ؟ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے :۔

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ (۴ : ۷۸)

پھر ایک اَور جگہ ارشاد ہوتا ہے :۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (۶ : ۳۳)

کائنات کے بارہ میں جو تحقیقات اِنسان نے کی ہے وہ تو صرف سطح کو چُھونے

کے برابر ہے۔ اِسی طرح جن لوگوں نے ہمارے جسم کے اندر کی کائنات پر تحقیق کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ابھی تو صرف آغاز ہوا ہے لیکن ترقّی کی طرف بڑھنے والا ہر قدم نئی تحقیق سے ہمیں ہمکنار کرتا ہے اِسی طرح ذرا سی ترقّی سے نئی صداقتوں سے بھرپور پھلوں کے باغ ہمیں ملتے ہیں۔

ہماری اندرونی کائنات دو حالتوں یعنی دماغی اور رُوحانی حالتوں سے رواں ہے اور اس کی سمجھ اور اِدراک ہمیں نہیں آسکتا کیونکہ یہ بات تو اس زندگی کے بعد آنے والی اصل زندگی میں پتہ چلے گی اور اس کا علم انسان کو بہت قلیل دیا گیا ہے۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ٥ (۱۸ : ۳۲)

اِس آیتِ کریمہ کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ انسان کو آنے والی زندگی کے بارہ میں بالکل اندھیرے میں رکھا گیا ہے قرآنِ مجید اُخروی زندگی کے بہت سے پہلو بیان کرتا ہے اور ذاتی تجربہ بھی بہت سے پہلو اجاگر کرتا ہے بہرحال زندگی اور آنے والی زندگی سے متعلق انسان کا علم بہت محدود ہے اگرچہ آخرت سے متعلق بہت سی سچّائیوں اور گواہیوں سے اِنسان کو آگاہ کیا گیا ہے۔

اِنسان کے اندر بہت سی مخفی قوّتیں کارفرما ہیں ہمارا شعور ان کی موجودگی اور ان کے کاموں سے آگاہ نہیں بعض ایٹم میں موجود قوّت کی طرح ہیں لیکن جب ہمیں ان کا اِدراک ہو جاتا ہے تو یہ بارُود کی طرح پھٹ کر ہماری شخصیّت میں زبردست مقناطیسیّت پَیدا کر دیتی ہیں ان قوّتوں کو بُرے یا اچھے کاموں کے لئے بروئے کار لایا جا سکتا ہے لیکن ایک متقی شخص ان کو اپنے جسم، دماغ اور رُوح کی بھلائی کے لئے استعمال

کرے گا۔جس طرح زمین میں قیمتی دھاتیں مخفی ہیں اسی طرح یہ خدائی تحفے ہیں ایک دانا نہ صرف ان کو مزید ترقی دے گا بلکہ ان کو رُوح کی پرورش کے لئے استعمال کرتا ہے کیونکہ آنے والی زندگی میں یہ رُوحانی جسم کا بیج ہوگی جو قیامت کے روز ایک خوبصورت مہکتے پھول کی طرح کھلے گی۔

میرے خیال میں ضخیم کتابوں کی کئی جلدیں بھی شاید اس اندرُونی کائنات پر صرف محدود روشنی ڈال سکیں راقم الحروف اِس موضوع کو کتاب ہٰذا میں مکمّل طور پر بیان نہیں کرسکتا لیکن میرا مقصد یہاں چند ایک مفید نقاط بیان کرنا ہے جو قیمتی اور یقیناً باعثِ دلچسپی ہیں لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی اِس موضوع پر حقیقی اتھارٹی ہے اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰہُ بَصِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (۱۹:۴۹) آئیے اب ہم اِس باب کے نفسِ مضمون یعنی انسان کے چار جسموں پر غور کریں۔

ہمارا طبعی جسم

ہمارا طبعی جسم حقیقت میں ہمارے اندر کے جسم کا آئینہ دار ہوتا ہے اور یہ مقولہ بالکل سچ ہے کہ "جیسے انسان سوچتا ہے ویسے ہی وہ ہوتا ہے"۔ طبعی جسم کو رُوح کا گھروندا بھی کہا گیا ہے اِس لئے اس کو اندرونی اور بیرونی طور پر صاف رکھنا چاہیئے کیونکہ صفائی سے خدا کا قریبی رشتہ ہے۔قرآن مجید میں ارشاد ہے :۔

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ (۷۴:۶)

ایک مقولہ یہ بھی ہے کہ "اِنسان ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ وہ کھاتا ہے۔" اندرونی صفائی اِس طرح بھی کی جاسکتی ہے کہ انسان صرف وہی چیزیں کھائے جو جسم کیلئے نفع مند ہوں اور نقصان دِہ چیزوں سے پرہیز کرے۔ یہ بظاہر ایک سادہ سا بیان ہے لیکن جہالت کی بناء پر اور کھانے کی حرص و لالچ کی بناء پر بعض لوگ نقصان دِہ چیزیں بھی کھا لیتے ہیں اِسلام ہمیں یہ سکھلاتا ہے کہ انسان صرف اچھی چیزیں کھائے ارشادِ باری تعالیٰ ملاحظہ فرمائیں:۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ ۙ

(۵ : ۵)

قارئین یہ بات یاد رکھیں کہ اصل جسم ہمارا طبعی جسم نہیں بلکہ اندرونی وجود ہے جو جسم کے ساتھ یا جسم کے بغیر زندہ رہنے کی اہلیّت رکھتا ہے اصل جسم کو ہم یوں بھی بیان کرسکتے ہیں کہ ہمارا جسم دماغی، نہ نظر آنے والا (ETHERIC) اور رُوحی جسم پر مشتمل ہے اور ان تین قسم کے جسموں پر اب ہم اگلی سطور میں روشنی ڈالیں گے۔

دماغی جسم

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قول پر ذرا ایک لمحہ کے لئے غور فرمائیں "جب عظیم خیالات کو عمل کا جامہ پہنایا جاتا ہے تو وہ عظیم کارنامے بن جاتے ہیں۔" سوچ دراصل دماغی جسم ہے تمام خیالات دماغ سے پیدا نہیں ہوتے اگرچہ سوچ اس عظیم قوّت کے کنٹرول اور بہاؤ میں کارفرما ہے۔

سوچ ایک عالمی قوّت ہے کیونکہ ہر چیز اور ہر عمل سوچ سے ہی شروع ہوتا ہے۔ ہر فعل کی کوئی وجہ ہوتی ہے اِس لئے مادہ کے پَیدا ہونے سے قبل سوچ ضرور موجود تھی اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ ہمارا خالق اور ہمارا منبع ہے اِس لئے سوچ خدا کی ایک زبردست صفت ہے کائنات بننے سے قبل روزِ اوّل سے سوچ موجود تھی اور دماغ کے بنانے اور اس کی ہیئت وطریقِ کار کے پیچھے بھی سوچ کارفرما تھی۔

اِس باب میں ہم سوچ کے دو حصّوں پر بحث کریں گے یعنی (۱) شعوری فکر اور (۲) غیر شعوری فکر — شعوری فکر ہماری روزمرّہ کی زندگی میں ہونے والی سوچ کا نام ہے جبکہ غیر شعوری فکر چوبیس گھنٹے دماغ کے شعور سے زیادہ گہرائی میں ہر وقت خاموشی سے کارفرما رہتی ہے۔

ہمارا غیر شعوری دماغ ہمارے جسم کے تمام غیر ارادی افعال پر کنٹرول رکھتا ہے۔ یہ ہمارا غیر شعوری دماغ ہے جو ہمارے خون کے سفید اجزاء کو اکٹھا کرتا اور حکم دیتا ہے کہ جسم میں جہاں کہیں بھی بیماری کا نام ہو ان پر حملہ کر دو۔ یہ غیر شعور ہی ہے جو ہمارے ہاضمہ کے نظام، دل، جگر، گردہ اور دوسرے اندرونی اعضاء کو چلا رہا ہے۔ تحت الشعور کی قوّت اس قدر حیران کُن ہے کہ جب اس کو اچھی طرح سے سمجھ لیا جائے تو یہ ہر وہ نتیجہ پَیدا کرے گی جس کا اس کو حکم دیا جائے۔ یہ بیان چاہے جتنا بھی سمجھ سے باہر ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ مزید بحث سے قبل ذرا اِس قرآنی دعا کا وِرد کر لیں:-

رَبِّ زِدۡنِیۡ عِلۡمًا (۲۰ : ۱۱۵)

اور حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔"

تحت الشعور کی طاقت اور اہلیت کے بارہ میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے لیکن یہاں ہم صرف چار پہلوؤں پر روشنی ڈالیں گے :-

۱۔ تحت الشعور پر تجویز کے ذریعہ کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ تحت الشعور میں یہ اہلیّت ہے کہ یہ پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کو حل کر سکتا ہے۔

۳۔ تحت الشعور کو قدرت نے مکمّل اور حیران کُن یادداشت سے نوازا ہے۔

۴۔ تحت الشعور کو ہمارے جسم کے کاموں اور تمام حالتوں پر کنٹرول حاصل ہے۔

سائنسی قوانین کی سمجھ اور ان کو زیرِ عمل لانے سے بہت سے میدانوں میں ترقّی ملتی ہے۔ ہم سائنسی دریافتوں اور ایجادوں کے زمانہ میں رہتے ہیں جو کہ نوعِ انسان کے لئے بہت نفع مند ہے۔ یہ سائنسی قوانین انسان کی نہ صرف مادی ترقی بلکہ روحانی ترقّی میں بہت مفید ثابت ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر ریڈیو ٹیلیویژن دنیوی اور مذہبی علوم کے پھیلانے میں بہت مُمِد ثابت ہوُا ہے اسی طرح دماغ کی سائنس (PSYCHOLOGY) کو جب سمجھا اور اس پر عمل کیا جائے تو یہ سائنس روحانی خواص کے پیدا کرنے میں زبردست محرّک ثابت ہوگی۔ دماغ کے کام کرنے، اس کی ہیئت کی سائنس اور علم کے مضمون کے مطالعہ کے وقت یہ نقطہ ہمارے مدِّنظر رہنا چاہیئے۔ یہ بات ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ انسان وہی کچھ ہے جیسا کہ وہ

سوچتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ترقّی سوچ کے بیج سے پیدا ہو کر پھلتی اور پھولتی ہے۔

ایک مشہور مصنّف جیمز ایلن کا کہنا ہے کہ "انسان سوچ کے اسلحہ خانہ میں جیسے ہتھیار پیدا کرتا ہے ان سے ہی وہ بگڑتا یا بنتا ہے اور اسی سوچ سے وہ ایسے آلات پیدا کرتا ہے جن سے وہ خوشی اور جرأت و طاقت کے بڑے بڑے آسمانی محل تعمیر کرتا ہے۔"

تحت الشعور کی مثال سرسبز نمودار باغ سے اور شعوری دماغ کی ایک مالی سے تشبیہہ دی جاسکتی ہے۔ ہر سوچ جس کا اثر تحت الشعوری دماغ پر ہوگا وہ ایک بیج کی طرح پھل دے گا اور اس کا ویسا ہی اثر ہماری شخصیّت پر ہوگا یا یہ ایسی چیز کو اپنی طرف کھینچ لے گا جب تک کہ وہ ہر چیز پہنچ سے باہر نہ ہو۔ یہ ایک ایسا قانون ہے جو کبھی شکست نہیں کھائے گا جب تک کہ سوچ کے بیج تحت الشعور کی زمین میں صحیح طریق پر بوئے جائیں۔ وہ بیج جن کو مالی باغ میں لگاتا ہے ان کو کئی ایک چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً ان کو دھوپ چاہیئے ان کو مناسب مقدار میں پانی اور کھاد چاہیئے تب جاکر وہ صحیح پرورش پاتے ہیں۔ اسی طرح وہ خیال جس کو تحت الشعور میں بویا جاتا ہے اس کو بھی زبردست خواہش اور تڑپ کے ساتھ پرورش دینا لازم ہے۔ مزید برآں انسان کے نصب العین کی خواہش اور اس کے حاصل کرنے میں مکمل اعتماد بھی لازم ہے پھر یہ دیکھنا کہ دماغی تصوّر کسی جادو کی طرح مادی صورت اختیار کرلے گا۔ یاد رہے کہ تحت الشعوری دماغ پر تجویز کو بہت کنٹرول ہے۔ دماغ کی تخلیقی قوّت ہر رائے کو غور سے پرکھتی ہے اور ہر حکم جو تحت الشعور کو

دیا جاتا ہے وہ پر کھا جاتا ہے یہ ایک عظیم تحفہ ہے جو خدائے ذوالجلال نے اِنسان کو دیا ہے صرف اس کے سمجھنے اور اس کو جگانے کی ضرورت ہے یہ انسان کیلئے بہت مفید اور نہایت کارآمد چیز ہے یہ انسان کا بہت ہی قابلِ اعتبار خادم ہے جب ایک شخص تحت الشعور کی طاقت کو پہچان کر تجربہ کر لیتا ہے تو انسان بے فکر ہو کر اس کو ہدایت دے سکتا ہے اور یہ یقین کر سکتا ہے کہ جو " بلو پرنٹ " (BLUE PRINT) اس پر لگایا جائے گا وہ ضرور کامیابی اور کامرانی سے سرخرو ہو گا۔

یہ بات جاننا بھی لازمی ہے کہ دماغ ایک انسان کے حق میں یا خلاف بھی کام کر سکتا ہے۔ مثبت خیالات مثبت نتائج پیدا کرتے ہیں اور منفی خیالات منفی نتائج پیدا کرتے ہیں کامیابی کا سوچو گے تو کامیابی ملے گی ناکامی کا سوچو گے تو ناکامی ملے گی صحت مندی کا سوچو گے تو صحت مند رہو گے بیماری کا ہر وقت سوچو گے تو بیماری ضرور آئے گی۔ خوب یاد رکھو کہ ایک قسم کی چیز ویسی ہی قسم کی دوسری چیز کو اپنی طرف کھینچے گی اور ہر انسان صرف ان چیزوں کو پسند کرتا ہے جو اس کی سوچ سے میل کھاتی ہیں۔

تحت الشعور کی قوّت ہر انسان میں موجود ہے بات صرف اس کے پہچاننے اور اس کو صحیح طور پر استعمال کرنے کی ہے۔ خیالات کو کنٹرول کرنے سے ایک شخص اپنی شخصیّت کو مکمل طور پر بدل سکتا ہے۔ انسان اپنے دماغ کے باغ کا مالی ہے اس میں یہ طاقت ہے کہ وہ دماغ سے تمام منفی خیالات نکال دے اور ان کی بجائے مثبت خیالات کے بیج لگائے اور ان کی خوب پرورش کرے جو نتیجۃً خوبصورت

شخصیت کے پھول اور دلربا پھل پیدا کرے یاد رکھو کہ اپنے نفس کا آقا بننا ہی کامیابی کی کنجی ہے۔

یہ اصول یا نظریہ خدا کی مالکیّت کی صفت کے ہرگز خلاف نہیں یہ ٹھیک ہے کہ خدا ہی تمام طاقتوں کا سرچشمہ ہے اور یہ کہ وہ جہاں بھی اور جب بھی چاہتا ہے مداخلت کر سکتا ہے لیکن یہ بھی ناممکن ہے کہ قدرت کے اصولوں میں جنہیں اس نے خود بنایا ہے مداخلت کرے۔ ایک گیند جو ہوا میں پھینکا جائے تو وہ کشش ثقل کے اصول کے ماتحت زمین کی طرف ہی گرے گا ہاں خدا تعالیٰ میں یہ طاقت ضرور ہے کہ وہ گیند کو زمین کی طرف گرنے سے روک دے اور گیند یوں ہوا میں ہی معلّق رہے لیکن جب تک اس کرشمہ کے دکھانے کی کوئی اشد ضرورت نہ ہو تو خدا قدرت کے اصولوں میں مداخلت نہیں کرتا لاریب حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں پھینکا گیا لیکن خدا نے آپ کو آگ کے شعلوں سے محفوظ رکھا لیکن یہ ایک خاص نادر موقع تھا ورنہ آگ تو ہمیشہ جلاتی ہے۔ اسی طرح ذہن کی تخلیقی قوّت کے قوانین کام کرتے ہیں اگرچہ یہ تسلیم کرنا ضروری ہے کہ خدا میں مداخلت کی طاقت ہے کیونکہ خدا مالکِ کائنات ہے ہر چیز اس کے ماتحت ہے۔

تحت الشعوری دماغ میں اتنی قوّت ہے کہ یہ بعض پیچیدہ اور مشکل ترین مسائل کو آناً فاناً حل کر دیتا ہے بعض دفعہ مسائل کے حل ہمارے دماغ میں سوتے میں اور بعض دفعہ جاگتے میں آجاتے ہیں جبکہ دماغ اس مذکورہ مسئلہ پر غور نہیں کر رہا ہوتا۔ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ سونے سے قبل اپنے آپ کو کوئی کام تجویز کرنے سے تحت الشعوری دماغ حرکت میں آجاتا ہے کیونکہ دماغ کی تخلیقی قوّت اس وقت

بہترین حالت میں ہوتی ہے جب شعوری دماغ سویا ہوُا یا آرام کر رہا ہوتا ہے یا پھر کسی دوسرے ہلکے پھلکے کام میں مصروف ہوتا ہے۔ یہ بات کوئی اچنبھا نہیں کہ ایک شخص رات کو ایک مشکل یا مسئلہ لیکر سوتا ہے لیکن صبح اُٹھنے پر اسے اس مشکل کا حل مِل جاتا ہے۔ ہمارا غیر شعوری دماغ چوبیس گھنٹے جاگتا اور کام کرتا ہے حتیٰ کہ جب ہمارا شعوری دماغ سویا ہوتا ہے اس حالت میں بھی غیر شعوری دماغ کام کر رہا ہوتا ہے۔ ایک سوئے ہوئے شخص کے کان میں ہلکی آواز میں کوئی چیز تجویز کرنے سے اچھے نتائج پیدا کئے جا سکتے ہیں۔ اپنے آپ کو بہتر بنانے سے متعلق مثبت تجاویز یا بُری عادات کو چھوڑنے سے متعلق اپنے آپ کو نصائح کرنا یا ایک بچے کے کان میں سوتے میں اچھی نصائح کہنا بہت مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

ایک دفعہ ایک باپ نے اپنے بیٹے کی ایک مشکل ترین مسئلہ کے حل کرنے میں اِس طرح مدد کی کہ فائنل امتحان سے ایک رات قبل باپ سوئے ہوئے بیٹے کے سرہانے بیٹھ گیا اور اس مسئلہ کے وہ حصّے قدرے اُونچی آواز میں بار بار پڑھے جن کو سمجھنے میں اس کو دِقّت تھی دوسرے دن باپ کے بیان کے مطابق بیٹے نے امتحان کا پرچہ بہت آسانی سے حل کیا۔ گویا سوتے میں سیکھنا ایک کامیاب طریق ہے اور اب تو بازار میں خاص قسم کے ٹیپ ریکارڈر ملتے ہیں جن کے ساتھ ایسے لاؤڈ اسپیکر لگے ہوتے ہیں جن کو تکیہ کے نیچے رکھ دیا جاتا ہے اور ایسے آلات خاص تعلیمی اداروں میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔

نیکی کے کاموں میں ترقی کرنے کے لئے بھی مذکورہ بالا قوانین سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔ تحت الشعوری دماغ اس وقت ہدایات پر اچھی طرح عمل کرتا

ہے جب شعوری دماغ سویا ہوتا ہے۔ ایسے بہت سے لوگ موجود ہیں جنہوں نے اکثر اپنے غیر شعوری دماغ کو ہدایت دی کہ انہیں صبح فلاں وقت پر جاگنا ہے اور پھر وہ اس مقررہ وقت پر بغیر گھڑی کے الارم کے خود بخود اُٹھ بیٹھے۔

تحت الشعوری دماغ کو قدرت نے نہایت ہی اچھی یادداشت سے نوازا ہے۔ یہ بات اچھی طرح ثابت ہو چکی ہے کہ ہمارا تحت الشعوری دماغ ہر وقت ہر چیز کی تفصیل کو ریکارڈ کرتا ہے جس کا علم اس کو حواسِ خمسہ سے ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایک ٹیپ ریکارڈ کی طرح ہے یا ایک محرّک کیمرہ کی طرح ہے ہر وہ چیز جس کو یہ دیکھتا، سُنتا یا محسوس کرتا ہے وہ ہمیشہ کے لئے اس میں محفوظ ہو جاتی ہے۔

مندرجہ ذیل تجربات ایک امریکن ڈاکٹر نے بیان کئے ہیں :۔

۱۔ ایک نوجوان کو ایک اخبار کے اندر کئی ایک چھوٹی چھوٹی خبریں بار بار پڑھنے کے لئے کہا گیا پھر اس سے پوچھا گیا کہ اس نے کیا پڑھا تھا؟ اس نے قریب قریب سب کچھ بتلا دیا مگر بالکل ٹھیک نہ بتلا سکا پھر اس کو بیہوش (HYPNOTISED) کر دیا گیا اور اپنی یادداشت سے خبریں سُنانے کے لئے کہا گیا نہ صرف یہ کہ اس نے بالکل ٹھیک خبریں سُنائیں بلکہ پورے صفحہ پر تمام خبریں اس نے ٹھیک ٹھیک سُنائیں۔ اگرچہ وہ اپنی توجّہ صرف چند ایک خبروں پر مرکوز کر رہا تھا لیکن اس کی آنکھوں نے پورے صفحہ کی تصویر اُتار لی۔

۲۔ ایک دوسرے تجربہ میں ایک نوجوان عورت کو ایک ڈیپارٹمنٹ سٹور کی

بڑی کھڑکی کے پاس سے گذرنے اور اس کے اندر رکھی ہوئی چیزوں کو جلدی سے دیکھنے کے لئے کہا گیا اس کے پاس کھڑکی کے اندر موجود چیزوں کو دیکھنے کے لئے صرف ایک لمحہ تھا جب اس سے تمام چیزوں کی تفصیل پوچھی گئی تو اس نے احتجاج کیا اور کہا کہ اسے صرف ایک لمحہ دیا گیا تھا البتہ جب اس پر HYPNOSIS کر کے اس کو سُلا دیا گیا تو اس نے حیران کُن طریقے سے ہر چیز کی تفصیل بتلا دی۔

تحت الشعور دماغ کی قوت فی الحقیقت ایک کرشمہ کی طرح ہے، اور تحت الشعور کی حیران کُن یادداشت ہمیں یہ قرآنی نصیحت سمجھنے میں مدد دیتی ہے کہ آنے والی زندگی میں انسان اپنی گذشتہ زندگی کے واقعات ایک کھلی کتاب کے اندر محفوظ واقعات کی طرح پائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب قرآن مجید میں فرماتا ہے:-

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ (۱۷ : ۱۴)

یہ آیتِ کریمہ ہمیں کوئی غیر معمولی بات نہیں بتلاتی کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ انسان کی زندگی میں ہی اس کے تمام الفاظ اور اعمال دماغ میں ریکارڈ اور محفوظ ہو جاتے ہیں اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔ کہتے ہیں کہ ایک نوجوان عورت نے ایک دفعہ اچانک لاطینی زبان کے چند جملے بولے جبکہ اس نے لاطینی کبھی بھی نہیں پڑھی تھی بعد میں تحقیقات پر معلوم ہوا کہ بچپن میں وہ لاطینی زبان کے ایک سکالر کے ہاں بعض اوقات جایا کرتی تھی جو اونچی آواز میں لاطینی زبان میں باتیں کیا کرتا تھا

بڑے ہونے پر وہ لاطینی کے جملے جو اس کے غیر شعوری دماغ میں مستقل طور پر ریکارڈ ہو گئے تھے وہ شعوری دماغ میں یک لخت آ گئے۔ اِس واقعہ کے پیشِ نظر یہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے کہ کیونکر مسلمان بچّوں کے پیدا ہونے پر ان کے کان میں اذان دی جاتی ہے۔

غیر شعوری دماغ کو جسم کے تمام فنکشن اور مختلف حالتوں پر کنٹرول حاصل ہے۔ دماغ کو مادہ کے کنٹرول کرنے کی طاقت حاصل ہے اور جیسا کہ "سیلف کنٹرول" ایک بنیادی صفت ہے اِس لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کا حصول صرف سوچ کے کنٹرول (تھاٹ کنٹرول) سے ہی ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ :-

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝ (۳۱ : ۱۶)

غیر شعوری دماغ نہ صرف بیرونی ہدایات بلکہ اندرونی ہدایات کے بھی زیرِ اثر ہوتا ہے۔ اندرونی ہدایات کے ماتحت انسان اپنے تحت الشعوری دماغ پر ایسی اشیاء، خیالات اور حالات کو چھاپ کرتا ہے جن کو وہ دماغ کی تخلیقی قوّت کے ماتحت حقیقت میں بدلنا چاہتا ہے۔ ہر شخص اپنے نفس پر کنٹرول حاصل کرنا چاہتا ہے مگر یاد رہے کہ اس کا حصول دماغ کی صحیح تربیت پر مبنی ہے۔ مندرجہ ذیل مثالیں یہ بات اظہر من الشمس کریں گی کہ دماغ کو مادہ یا اشیاء پر کنٹرول حاصل ہے :-

۱ - بُری خبر کے سُننے پر ہاضمہ کا نظام خراب ہو جاتا ہے، خون کی رگیں سُکڑ

جاتی ہیں، دِل کی دھڑکن ہلکی ہوجاتی ہے، سانس آنا مشکل ہوجاتا ہے اور نظامِ جسم کے کئی دوسرے حصّے متاثر ہوتے ہیں۔

ب ۔ جذباتی خیالات سے جسم کے اندر طبیعاتی تبدیلیاں آتی ہیں۔ شرم آنے پر اِنسان کے رخسار سُرخ ہوجاتے ہیں۔ خوف سے اِنسان کانپنا شروع ہو جاتا ہے اور پٹھوں میں کھچاوٹ پَیدا ہوجاتی ہے ، غصّہ اور دماغی EXITEMENT سے دِل کی دھڑکن بڑھ جاتی ہے اور غدودوں میں ADRENALIN زیادہ نکلتی ہے اور نتیجتاً جسم میں دوسری خرابیاں پَیدا ہوجاتی ہیں۔

ج ۔ فکر کرنے سے جسم سے توانائی ضائع ہوجاتی ہے اور سانس مشکل سے آتا ہے۔ فکر اور تشویش سے بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے، ہاضمہ کا نظام بگڑ جاتا ہے، بے آرامی ہوتی ہے نیند نہیں آتی اور سر میں اکثر درد رہتا ہے۔

تمام منفی قسم کے خیالات یعنی فکر، غصّہ، حسد، نفرت جسم پر بُرا اثر ڈالتے ہیں اور صحت خراب ہوجاتی ہے۔ یہ احساسات ہمارے غدودوں میں سے زیادہ زہر پیدا کرکے ہمارے خون میں شامل کر دیتے ہیں۔ انسان کی صحت کا مدار نہ صرف اِس بات پر ہے کہ وہ کیا کھاتا ہے بلکہ کِس قسم کی ورزش کرتا ہے اور مزید یہ کہ اس کی سوچ کِس قسم کی ہے ؟

ایک مصنّف مسٹر ایف۔ ایل۔ راسن (RAWSON) اپنی کتاب "لائف انڈر سٹوڈ" میں پروفیسر گیٹس کے چند ایک دلچسپ تجربات بیان کرتا ہے۔ مذکورہ پروفیسر نے یہ دریافت کیا کہ ایک شخص کی دماغی حالت کے بدلنے پر جسم کے پسینہ کا کیمیائی تجزیہ

بھی بدل گیا۔ اسی طرح دوسرے تجربہ میں ایک شخص کو ایک ٹھنڈی ٹیسٹ ٹیوب میں ہوا پھونکنے کو کہا گیا تو ایک بے رنگ قسم کا پانی نمودار ہوا لیکن جب اُسی شخص کو ایک بُری بات کہہ کر ناراض کر دیا گیا تو ٹیسٹ ٹیوب میں بھورے رنگ کا پانی سا نمودار ہوا۔ تجربہ سے ثابت ہوا کہ افسردگی سے GREY رنگ کا اور پشیمانی سے گلابی رنگ کا مادہ نمودار ہوتا ہے ـــــ مزید برآں پسینہ والے تجربہ سے یہ ظاہر ہوا کہ خاص قسم کی سوچ سے جسمانی نظام سے اسی خاص قسم کا مادہ خارج ہوا۔ پھر بعد میں اس نے براؤن رنگ کا مادہ کافی سارا اکٹھا کر کے اُسی شخص کو ٹیکہ لگا کر واپس جسم میں ڈالا تو اُس شخص میں اعصابی کھچاوٹ پیدا ہو گئی۔

ایک اَور عورت کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے جو خود بھی صحتمند تھی اور اس کا بچّہ بھی کافی صحتمند تھا ایک دِن خدا جانے کیا ہوا کہ عورت شدید طور پر ناراض ہو گئی جس سے نظامِ جسم میں زہر پیدا ہوا جو دُودھ کے راستے بچّہ میں چلا گیا اور بچّہ جاں بحق ہو گیا۔

ایک ڈاکٹر یا معالج اپنے مریضوں کے سرہانے بیٹھ کر ان سے کیسے باتیں کرتا ہے اس کا مریضوں پر بہت اثر پڑتا ہے۔ ڈاکٹر کا اچھا سلوک اور بہتر رویّہ مریض میں شفا پانے کی حیرت انگیز قوّت پیدا کر دیتا ہے اور بعض دفعہ مریض دوائی کی مدد کے بغیر بھی ٹھیک ہو جاتا ہے۔ بعض ایک مریضوں کو رنگین پانی اور چینی کی گولیاں اِس طور پر دی گئیں کہ گویا یہ کوئی زبردست دوا تھیں چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ مریض شفایاب ہو گئے اور یہ "خاص دوا" ان کے علاج کی وجہ تھی جبکہ علاج انکے دماغ کے اندر موجود تھا۔

دو ڈاکٹروں نے مندرجہ ذیل تجربہ صرف اِس لئے کیا کہ پتہ لگائیں تصوّراتی سوچ کا کیا اثر ہوتا ہے؟ بہت سارے مریضوں کو عام علاج کی دوائیاں ایک ہسپتال کے وارڈ میں دی گئیں لیکن ان مریضوں کو اچانک یہ بتلایا گیا کہ ان کو غلطی سے قے کرنے والی دوا دے دی گئی ہے چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد بہت سارے مریضوں نے قے کر دی۔

ایک قیدی کا مشہور واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ اس کو بتلایا گیا کہ اس کی موت اِس رنگ میں وقوع پذیر ہوگی کہ اس کا خون اس کے جسم سے رِستا رہے گا اور پھر وہ ختم ہو جائے گا پھر اس کی آنکھوں پر پٹّی باندھ دی گئی اور اسے بتلایا گیا کہ خون بہنا شروع ہو گیا ہے اس کے بازو پر سے گرم پانی گرایا گیا زمین پر ایک برتن پڑا تھا جس میں قطرے گِرتے تھے اور وہ ان کے گِرنے کی آواز سُن سکتا تھا اس کے اِرد گرد لوگ موجود تھے ان کی آپس کی گفتگو سے کہ وہ خون بہنے سے کتنا کمزور ہو رہا ہے اس نے یہ جان لیا کہ وہ جلد ہی مَر جائے گا اور پھر حقیقت میں وہ جلد ہی جاں بحق ہو گیا یہ واقعہ اِس بات کا درخشندہ ثبوت ہے کہ دماغ کو جسم پر کتنی زبردست طاقت حاصل ہے۔

یہ چند ایک مثالیں تھیں جو دماغ کے جسم پر اثر اور قوّت کو بیان کرنے کیلئے اِس باب میں پیش کی گئیں ورنہ ایسی اَور بھی ضرور ہوں گی۔

فلکی جسم THE ETHERIC BODY

دُنیا کے روزِ اوّل سے یہ بات عوام النّاس میں عقیدہ بنی رہی ہے کہ

اِنسان کے طبعی جسم کے علاوہ انسان کے اندر ایک اَور جسم بھی ہوتا ہے جو اپنے آپ کو جسم کے اندر سے خود کو پیش کرتا ہے اس کا نام عموماً ASTRAL BODY ہے یہ رُوح نہیں ہاں رُوح کو قائم رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔

ہمارا ETHERIC جسم سونے کی حالت میں اور غیر شعوری حالت میں اپنے آپ کو جسم سے خارج کر لیتا ہے اس کا اظہار جاگنے کی حالت میں اور نیم شعوری حالت میں بھی ہوتا ہے۔ جسم سے اس کا اخراج غیر ارادی اور یکایک ہوتا ہے اگرچہ بعض لوگ اس کو حسبِ خواہش بھی نکال سکتے ہیں۔

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ ETHERIC BODY رُوح کے قائم رکھنے کا ایک ذریعہ ہے لہٰذا یہ جاننا قدرتی ہے کہ رُوح اس جسم کے ساتھ ساتھ ہوتی ہے جب یہ طبعی جسم سے الگ ہوتا ہے۔ اِس نقطہ سے متعلق قرآن حکیم ہمیں یہ بتلاتا ہے کہ رُوح اگرچہ موت کے وقت الگ ہوتی ہے یہ سونے کی حالت میں بھی جسم سے الگ ہو جاتی ہے۔ مندرجہ ذیل آیتِ کریمہ پر غور فرمائیں :-

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا ج فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْہَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰٓی اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ٥ (۳۹ : ۴۲)

مذہبِ اسلام ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ رُوح کا جسم کے اندر قائم رہنا اور جسم سے اس کا تعلق لازم و ملزوم ہے۔ اِس ضمن میں یہ سوال کیا جاتا ہے کہ نیند کی حالت میں جب رُوح جسم سے خارج ہو جاتی ہے تو پھر کس دوسرے جسم میں قیام

کرتی ہے؟ اس کا جواب ETHERIC BODY پیش کرتا ہے کیونکہ یہی جسم دراصل روح کا حقیقی مسکن ہے۔ اِس کا دوسرا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ رُوح کے اِردگرد ایک ہالہ پیدا ہوتا رہتا ہے اور یہ رُوح اس رُوحانی دُھندلکے کے اندر قائم رہتی ہے۔

یہ بات جاننا بہت ضروری ہے کہ ETHERIC BODY اور رُوح طبعی جسم سے کبھی بھی بیرونی سفر کے دَوران علیحدہ نہیں ہوتے یہ آپس میں نہ نظر آنیوالے ایک دھاگے سے مُنسلک ہوتے ہیں تو گویا ETHERIC BODY اور رُوح طبعی جسم سے موت سے پہلے کبھی بھی ایک دوسرے سے مکمّل طور پر جُدا نہیں ہوتے یہ منسلک کرنے والا دھاگہ بعض دفعہ ASTRAL CORD کہلاتا ہے اور جن لوگوں نے جسم سے باہر کے رُوحانی تجربے دیکھے ہیں انہوں نے اِس بات کا خوب مشاہدہ کیا ہے اس کی مثال UMBILICAL CORD سے دی جا سکتی ہے جو بچّے کو رِحم کی تاریک دُنیا سے باہر کی روشن دُنیا میں آنے کے بعد بھی ماں سے ملائے رکھتا ہے UMBILICAL CORD کے کٹنے کے بعد نوزائیدہ بچّے کا ماں سے تعلق ختم ہو جاتا ہے اسی طرح ASTRAL CORD کے کٹنے کے بعد ETHERIC BODY اور رُوح طبعی جسم سے ہمیشہ کے لئے جُدا ہو جاتی ہے بعض دوسرے مواقع پر ASTRAL CORD طبعی جسم اور ETHERIC BODY کو آپس میں ملائے رکھتی ہے جبکہ اس کو مؤخرالذکر سے الگ کر دیا جاتا ہے اور یہی وہ ذریعہ ہے جو ETHERIC BODY کو طبعی جسم میں واپس لاتا ہے اس کی ایک اَور مثال زمینی اسٹیشن اور خلائی طیّارہ میں "ریڈیو تعلق" سی ہے خلائی طیّارہ کو زمین پر REMOTE CONTROL کے ذریعہ

لایا جاتا ہے۔

ہماری گفتگو کا مقصد یہاں یہ ہے کہ ایک انسان کے اندر دو انسان ہوتے ہیں ایک وہ جو طبعی جسم سے نکل کر گھوم پھر سکتا ہے اور بعینہٖ شعوری حالت میں بھی ہوتا ہے۔ ایک انسان اپنے اِس قسم کے جسم کو اُوپر سے دیکھے تو اسے اپنے طبعی جسم کی طرح بستر پر لیٹے پائے گا۔ ETHERIC BODY کی حالت میں اِنسان دُور دراز جگھوں کی سَیر کر سکتا ہے اور اس کی حقیقت یوں بیان کی جا سکتی ہے کہ انسان اُٹھنے پر ایسی جگھوں کی تفصیل مکمّل طور پر بیان کر سکتا ہے اگرچہ اس نے بعض جگھوں کو زندگی میں کبھی بھی نہ دیکھا ہو۔ یہ کوئی خواب یا وہم نہیں ہوتا "ایتھرک باڈی" طبعی جسم سے الگ ہونے پر بھی دُنیا میں اس کے اِردگرد جو ہو رہا ہوتا ہے اس کو سُنتا اور اس سے مکمّل طور پر آگاہ ہوتا ہے۔ عام طور پر انسان کا ایتھرک باڈی جب دوسری دُنیا کا سفر کرتا ہے تو وہ اس سے باخبر نہیں ہوتا لیکن یہ بات کوئی اَنھونی نہیں کہ ایک شخص اپنے آپ کو طبعی جسم سے الگ پائے اور اپنے حواس میں بھی ہو اور بعد میں وہ تمام تجربات سے آگاہ بھی ہو۔

"اسٹرل پروجیکشن" ASTRAL PROJECTION ایک ایسا موضوع ہے جس سے صرف چند ایک لوگ دلچسپی رکھتے ہیں یا اس کے بارہ میں تحقیق کرنا چاہتے ہیں اِسلئے اس کے ذکر سے بعض لوگ اس پر یا تو مشکوک ہو جاتے ہیں یا ہنسی ٹھٹھا کرتے ہیں اور یا پھر اسے بالکل رَدّ کر دیتے ہیں لیکن یہ بھی یاد رہے کہ دُنیا میں لکھوکھا ایسے لوگ ہیں جو خدا پر یقین نہیں رکھتے اِس لئے یہ قدرتی بات ہے کہ بعض کم علم لوگ اِس موضوع پر گفتگو کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ دُنیا کی ابتداء سے لیکر آج تک

لوگ "اِنسانی جسم سے باہر کے تجربات" سے آگاہ ہوتے رہے ہیں اور مختلف قوموں کے لوگوں نے مختلف زمانوں میں ایسے تجربات کو قلمبند کیا ہے اِس لئے ایسی زبردست شہادتوں کے پیشِ نظر اِس چیز سے انکار کم علمی پر دلالت کرے گا۔

اِس موضوع پر چند ایک نہایت معلوماتی کتابیں دستیاب ہیں اگر اِس موضوع پر کوئی شخص مزید تحقیق کا متمنّی ہو تو مندرجہ ذیل کتابیں بہت مفید ثابت ہوں گی:۔

1– THE PROJECTION OF THE ASTRAL BODY
BY SYLVAN MULDOON

2– THE PHENOMENA OF ASTRAL PROJECTION
BY SYL VAN MUL DOON

3– MY EXPEREINCE WHILE OUT OF THE BODY
BY CERA L.V. RICHMOND

4– THE PHENOMENA OF BILOCATION
BY E. BOZZANE

5– MORE ASTRAL PROJECTION
BY ROBERT CROOKHALL

مذکورہ کتابوں میں بعض ایک افراد کی شہادتیں "جسم سے خارجی تجربات" سے متعلق جو سلوان ملڈون کی کتاب میں بیان ہوئی ہیں ان میں سے چند ایک یہاں پیش کی جاتی ہیں:۔

(۱) امریکہ کے شہر بالٹی مور کی ایک شہری مسز پار کر نے لکھا کہ " میرا پہلا تجربہ بہت کم عرصہ کا تھا اور کئی سال پہلے وقوع پذیر ہوُا۔ ایک صبح کو مَیں یُونہی نیند سے بیدار ہوئی اور اپنے آپ کو اپنے کمرہ میں کھڑے پایا اور مَیں نے اپنے جسم

کو سامنے کے بستر پر گہری نیند میں دیکھا۔"

(۲) سینٹ لوئیس شہر کی عورت مسز ورنیس ایتھرٹن نے حلفیہ بیان دیا کہ "مَیں نے اپنے آپ کو بستر پر لیٹے پایا حالانکہ مجھے علم تھا کہ مَیں اس جسم میں نہیں ہوں۔ مَیں اس جسم سے الگ کھڑی تھی اور میرا باپ (جو ۱/۲ ۲ سال پہلے وفات پا چکا تھا) میرے ساتھ کھڑا تھا۔ وہ اتنا حقیقی اور سچّا تھا جتنا کہ وہ اپنی زندگی میں تھا ــــ پھر جلد ہی ہر چیز تاریک ہوگئی اور چند لمحوں میں مَیں اپنے طبعی جسم میں دوبارہ داخل ہوگئی۔ مجھے یہ علم ہے کہ مَیں اپنے جسم سے الگ تھی..... پھر مجھے یہ بھی یقین ہے کہ یہ کوئی خواب نہ تھا کیونکہ مَیں بالکل ہوش و حواس میں تھی اس کے باوجود مجھے یہ علم نہیں کہ مجھے کیا ہو گیا تھا۔"

(۳) برطانیہ کے شہر پلی میتھ کے ایک شخص جس نے اپنا نام دینا پسند نہ کیا بیان کیا کہ "مَیں نے اچانک محسوس کیا کہ مَیں اپنے جسم کے اُوپر تھا اور اس پر سیدھا دیکھ رہا تھا میرا جسم روزِ روشن کی طرح بستر پر پڑا ہُوا تھا مَیں نے چہرہ پر خاص طور پر نگاہ ڈالی اور بڑی حیرت سے دیکھا کہ مَیں اپنے چہرہ کو ایسے دیکھ رہا تھا جس طرح دوسرے لوگ مجھے دیکھتے ہیں۔ یہ تجربہ بالکل حقیقی تھا اور واقعی تھا اس میں تصوّر یا وہم کا کوئی دخل نہیں۔"

(۴) ایک عورت جس کا نام "ویرا جانسن" ہے اس نے بیان کیا کہ "گذشتہ سال موسمِ سرما میں ایک عجیب واقعہ رُونما ہوُا۔ ایک رات جُونہی مَیں بستر میں گئی مَیں اُٹھی اور بستر کے ایک طرف چند ایک منٹ کے لئے کھڑی رہی اور ٹکٹکی لگا کے اپنے آپ کو بستر پر لیٹے دیکھتی رہی۔ جان لو کہ یہ کوئی خواب نہ

تھا مَیں حقیقتہً بستر سے نکل کر کھڑی ہوئی اور اپنے جسم کو بستر پر لیٹے پایا۔ پھر مَیں گھر کے دروازہ سے باہر نکلی اور کچھ لمحوں کے لئے باہر گئی۔ اس وقت سے لیکر اَب تک مَیں نے ایک دفعہ اَور اپنے آپ کو باہر گھومنے کے لئے جاتے پایا جبکہ میرا جسم گھر میں تھا۔"

(۵) انڈین سپرنگ، امریکی ریاست انڈیانا کے والٹر میک برائڈ نے لکھا "۲۳ر دسمبر کی شام کوئی آٹھ بجے مَیں اپنے سونے کے کمرہ میں گیا جو گھر کے نیچے والے حصّہ میں ہے۔ مَیں نے بجلی بند کی اور حسبِ معمول سونے لگا ہر چیز معمول کے مطابق تھی ..... پھر یہ بات چاہے کتنی ہی فضول لگے مَیں نے محسوس کیا کہ مَیں کمرہ کے اندر ہوا میں تیر رہا ہوں لیکن کمرہ میں روشنی تھی مَیں اس وقت پورے حواس میں تھا۔ پھر مَیں نے محسوس کیا کہ مَیں بلڈنگ کے اُوپر کی طرف تیر رہا تھا کمرہ کی چھت اور اُوپر کی منزل مجھے اُوپر جانے سے نہ روک سکے اور مَیں آسانی سے گذر گیا پھر ایک مقررہ اونچائی تک پہنچ کر مَیں سیدھا ہو گیا اور مَیں نیچے کی طرف یہ دیکھ کر حیران وششدر رہ گیا کہ میرا جسم بستر پر پڑا تھا اور یہ جسم اس حالت میں تھا جیسا کہ مَیں سونے کے وقت تھا۔

(۶) ایک رسالہ THE OCCULT REVIEW کی ایک پُرانی جلد طبع ۱۹۰۸ء کے صفحہ ۱۶۰ پر ڈاکٹر فرانز ہارٹ مَین نے مندرجہ ذیل واقعہ لکھا:۔

"۱۸۸۴ء میں جب مَیں کولمبو سیلون میں تھا تو مَیں ایک روز اپنے دوست کے ساتھ ایک دندان ساز سرجن کے دفتر میں دانت نکلوانے گیا

مَیں نے کلوروفام سُونگھا اور اس کا ابھی مجھ پر تھوڑا سا اثر ہوُا تھا کہ مَیں نے اپنے آپ کو اس کُرسی کے پیچھے پایا جس میں میرا جسم آرام کر رہا تھا۔ مَیں نے اپنے آپ کو دیکھا اور بالکل وہی انسان محسوس کیا جیسا کہ مَیں ہوں مَیں نے اپنے سے متعلق ہر چیز دیکھی اور جو کچھ میرے بارے میں کہا جا رہا تھا وہ بھی سُنا لیکن جب مَیں نے میز پر پڑے اوزاروں کو چھُونا چاہا تو یُوں لگا گویا میری انگلیاں ان اوزاروں میں سے گذر گئی ہیں۔"

یہ چند ایک واقعات یہاں اِس لئے پیش کئے گئے تا ہم یہ ثابت کریں کہ ETHERIC BODY کا ہونا اتنا ہی مسلّم ہے جتنا کہ تحت الشعوری دماغ، خوابوں کی حقیقت اور دوسرے روحانی تجربات کا ہونا حقیقت ہے۔"جسم سے خارجی تجربات" نے بہت سے مشکوک لوگوں پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ زندگی اِس عارضی جسم کے علاوہ بھی ہے اور اس طرح ان لوگوں کا موت کے بعد زندگی پر یقین اَور بھی پکّا ہو گیا ہے۔

رُوح والا جسم THE SOUL BODY

رُوح اِنسان کا نہایت قیمتی سرمایہ ہے جو ہمیشہ کے لئے رہتی ہے اور ایک رُوحانی درجہ سے دوسرے رُوحانی درجہ میں تبدیل ہوتی رہتی ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم فرمایا ہے کہ اِنسان کا علم رُوح سے متعلق اِس دُنیا میں محدود رہے گا لیکن قرآن مجید جو اللہ کی اپنی کتاب ہے وہ اس زمانہ کے پادریوں غیر دینداروں، مُلحدوں کے لئے ایک زبردست چیلنج ہے —— وہ اِس موضوع

پر دوسری تمام مذہبی کتابوں سے زیادہ روشنی ڈالتا ہے جیسا کہ قرآن کے خدائی کلام ہونے کا موضوع ایک وسیع مضمون ہے اس لئے ہم اس موضوع پر بحث نہیں کریں گے۔

قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق رُوح انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی پیدا ہوتی ہے۔ یہ جسم کے اندر کسی باہر کی دُنیا سے داخل نہیں ہوتی یہ انسان کے بیج کے اندر چھُپی رہتی ہے اور رحم کے اندر جسم کی پرورش کے ساتھ ساتھ پرورش پاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب قرآن مجید میں فرماتا ہے :۔

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ۔

(۲۳ : ۱۵)

اللہ تعالیٰ کے وحدانیت کے تصوّر کی صحیح سمجھ، مثبت سوچ اور نیک اعمال ہی وہ اسباب ہیں جن پر رُوح کی ٹھیک پرورش کا انحصار ہے۔ اگرچہ اسلام جسم کی حفاظت پر کافی زور دیتا ہے لیکن رُوح کی مناسب دیکھ بھال ہمارا مطمح نظر ہونا چاہیئے۔ گویا دوسرے لفظوں میں یہ بہتر ہے کہ انسان اپنی زندگی گنوا دے مگر رُوح کو ہرگز نہ گنوائے۔

رُوح ایک نہایت نازک اور خفیف جسم ہے بہ نسبت "ایتھرک باڈی" کے یُوں لگتا ہے کہ موت کے بعد رُوح گویا "ایتھرک باڈی" میں سکون پذیر رہتی ہے قرآن مجید ہمیں یہ سکھلاتا ہے کہ موت کے وقت سے لیکر روزِ قیامت تک کے درمیان وقفہ میں رُوح کسی دوسری صورت میں موجود رہے گی اور قیامت کے

روز یہ پرورش پاکر ایک نئی رُوحانی تخلیق کی صورت میں نمودار ہوگی۔

یہ جاننا اور سمجھنا بھی ضروری ہے کہ برزخ کی حالت کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں رُوح قیامت کے آنے تک بے حس پڑی رہے گی کیونکہ برزخ میں یہ رُوحانی پرورش گویا اِس طرح پائے گی جس طرح عورت کے رِحم کے اندر بچّہ پرورش پاتا ہے۔ رُوح کی دوبارہ پیدائش کے اس عرصہ میں رُوح جنّت کی نعمتوں یا جہنّم کی سزاؤں سے موت کے وقت اپنے رُوحانی مقام کے مطابق آگاہ ہوگی حتّٰی کہ اس زندگی میں بھی انسان جنّت یا جہنّم کی زندگی سے آگاہ ہوتا رہے گا لیکن برزخ میں وہ خوب محسوس کئے جائیں گے یا روزِ قیامت اس سے بھی زیادہ۔ وہ لوگ جو اپنی رُوح کی پرورش سے غفلت کرتے ہیں ان کو قرآن مجید کا یہ ارشاد یاد رکھنا چاہیئے :۔

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ۝ (۸۹ : ۲۶)

جبکہ اس کے برعکس اطمینانِ قلب صرف متّقیوں کا اجر ہے۔ فرمایا :۔

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۝ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝

(۸۹ : ۲۸ تا ۳۱)

یاد رہے کہ رُوح کے سفر کا کوئی انجام نہیں جب یہ ایک دفعہ پاک ہو جاتی ہے تو کائنات کی گہرائیوں میں یہ دن رات مزید سے مزید ترقّی کرتی ہے۔ یہ اِس لئے نہیں کہ اس نے مزید نیک کام کئے ہوتے ہیں کیونکہ نیکی یا بدی کرنے کی استطاعت تو موت کے بعد ختم ہو جاتی ہے یہ محض خدا کا فضل ہوتا ہے۔ ایسی رُوحوں

سے متعلق خدا تعالیٰ اپنی پیاری کتاب قرآنِ مجید میں فرماتا ہے :۔

نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

(۹:۶۶)

چہرہ کی مثال رُوح کے دریچہ سے دی گئی ہے ایک نیک اِنسان کے چہرہ سے خاص نورعیاں ہوتا ہے جو اس کے چہرہ اور خدوخال کو خوبصورت کر دیتا ہے جبکہ ایک بُرے شخص کا چہرہ بدنما اور سیاہ ہوتا ہے۔ برزخ کی حالت میں یہ چیز اَور بھی واضح ہوگی۔ یہ حقیقت ایسے لوگوں نے بیان کی ہے جنہوں نے مُردوں سے ملاقات کی ہے۔ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں :۔

مَیں اِس میں صاحبِ تجربہ ہُوں۔ مجھے کشفی طور پر عین بیداری میں بارہا بعض مُردوں کی ملاقات کا اِتفاق ہؤا ہے اور مَیں نے بعض فاسقوں اور گمراہی اختیار کرنے والوں کا جسم ایسا سیاہ دیکھا کہ گویا وہ دھوئیں سے بنایا گیا ہے۔ غرض مَیں اس کُوچہ سے ذاتی واقفیّت رکھتا ہُوں اور مَیں زور سے کہتا ہُوں کہ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے ایسا ہی ضرور مَرنے کے بعد ہر ایک کو ایک جسم ملتا ہے خواہ نورانی خواہ ظلمانی۔

ایک شخص جتنا زیادہ اپنے جسم کے اندر کی کائنات پر غور کرتا ہے اتنا ہی

زیادہ وہ اس دُنیا کی مختصر زندگی سے آگاہ ہوتا ہے اور زندگی کے مقصد
کے حاصل کرنے کے لئے اِنسان کو اپنے ہوش و حواس اور FACULTIES
اِستعمال کرنی چاہئیں۔ اِس گفتگو کا لُبِّ لباب یہ ہے کہ زندگی کا مقصد محض
رُوح کی پاکیزگی ہے۔

○

عبادت کی عادت

انگریزی زبان میں مندرجہ ذیل قطعہ پر غور فرمائیں :-

HERE LIES A SOLDIER, WHOM ALL MUST APPLAUD.
WHO FOUGHT MANY BATTLES AT HOME & ABROAD.
BUT THE HOTTEST ENGAGEMENT HE EVER WAS IN WAS
THE CONQUEST OF SELF IN THE BATTLE OF SIN.

اِنسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص مقصد کے لئے پیدا کیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ (۵۱:۵۷)

خدا کی عبادت صرف نماز پڑھنے تک ہی محدود نہیں یہ عبادت خیالات ، بول چال اور اعمال پر بھی حاوی ہے کیونکہ اعمال کو جب نیک نیّتی سے کیا جائے تو یہ عبادت بن جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت ہمارا مقصدِ حیات ہے۔ ایک مسلمان خواہ اِس دُنیا میں کتنا ہی بڑا مرتبہ حاصل کر لے یعنی خواہ وہ آرکیٹیکٹ ، ڈاکٹر ، ٹیچر ، وکیل یا تاجر بن

جائے لیکن اس کو رُوحانی مرتبہ کے حاصل کرنے کے لئے زیادہ توجّہ دینی چاہیئے۔

مذہب اسلام کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان ہر لمحہ خدا کی عبادت میں مصروف رہے اور یہی زندگی کا صحیح مطمح نظر ہے جس کے لئے اللہ سے ہمیشہ یہ دعا مانگتے رہنا چاہیئے

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ؕ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۙ

(۱ : ۵، ۶)

اِسلام ہمیں یہ سکھلاتا ہے کہ زندگی کا مقصد انسان کی ذاتی طہارت اور صفائی ہے جس کے لئے ہر مسلمان کو عزمِ صمیم اور خلوصِ دل سے کوشش کرنی چاہیئے مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے ہر قدم، ہر لکھے اور بولے جانے والے کلمہ، ہر نظر اور ہر فعل پر کڑی نظر رکھے۔

زندگی ایک جُہدِ مسلسل کا نام ہے لیکن اس کی فتح کا پھل بہت ہی میٹھا ہے۔ انسان کو گوناگوں خواہشات، زندگی کی ہر قسم کی آسائشوں، غفلتوں اور بے احتیاطیوں اور مختلف خامیوں پر غلبہ حاصل کرنا ہے۔ آخری فتح بعض اوقات بہت دُور اور ناممکن نظر آتی ہے یا بعض دفعہ حصول سے باہر لیکن وہ لوگ جو ثابت قدم رہتے ہیں خدا نے ان سے کامیابی کا وعدہ کیا ہے۔ یہ بات حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے کیا خوب بیان کی ہے:۔

"اِسلام انسان کو مایوسی سے نجات دلاتا ہے اور اسے بتلاتا ہے کہ وہ اپنی غلطیوں اور خامیوں کے باوجود اپنے دماغ کی طہارت اور صفائی حاصل کر کے اپنی زندگی سنوار سکتا ہے جو کہ انسان کا سب سے عظیم مقصد ہے۔

چنانچہ اسلام اسے نیکی اور صفائی کی طرف مسلسل کوشش
کرنے کے لئے ہمّت دلاتا ہے تا وہ زندگی کے اِنتہائی
مقصد کو حاصل کرے۔"

خدا کی عبادت سب سے اچھی عبادت ہے اور یہ تو ہر کوئی جانتا ہے کہ عادت پَیدا کی جاسکتی ہے اور ایک پَیدا کی ہوئی عادت جلد ہی انسان کی فطرت بن جاتی ہے اور اسے خاص توجّہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ ٹائپ رائٹر کو سیکھنے والا ایک طالبِ علم شروع میں الفاظ کو آہستہ آہستہ پوری دماغی توجّہ کے ساتھ ٹائپ کرتا ہے اور اس کے باوجود وہ غلطیاں کرتا ہے لیکن مسلسل کوشش سے اس کی رفتار بڑھتی جاتی ہے اور غلطیاں کم ہوتی جاتی ہیں حتّٰی کہ وہ ایک منٹ میں آسانی سے ۱۲۰ الفاظ اُنگلیوں کے ہلانے سے بغیر توجّہ کے ٹائپ کرسکتا ہے۔ اِس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ تحت الشعور نے ہر چیز کو اپنے کنٹرول میں لے لیا۔

عبادت کچھ عرصہ توجّہ اور محنت کے بعد فطری رُجحان کے مطابق بھی بن سکتی ہے۔ جو صابر بننے کی کوشش کرتا ہے اور اس کوشش پر پوری محنت کرتا ہے وہ سخت سے سخت حالات میں بھی صبر کا نمونہ دکھلاتا ہے کیونکہ یہ صفت اس کی فطرت کا حِصّہ بن جاتی ہے اسی طرح ہر قسم کی نیکی اور اچھی صفت کو مناسب توجّہ سے اپنایا جاسکتا ہے اور جس طرح نیک زندگی اور اسلامی زندگی ایک سِکّے کی دو اطراف کا نام ہے اِس لئے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنی زندگی کا مقصد خدا کی عبادت اور نیکیوں کو اپنانے اور حاصل کرنے کے ذریعے سے پورا کرے۔

کوئی بھی چیز بغیر کوشش کے حاصل نہیں ہوسکتی اور یہ اصول دینی معاملات

میں بھی بالکل صحیح ثابت ہو چکا ہے۔ خدا ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں اور خدا ہم سے امّید رکھتا ہے کہ مسلمان نیکیوں کے معاملہ میں سبقت حاصل کریں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوُا ہے:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا (۳ : ۲۰۱)

انسان کی زندگی اور ہستی کا مقصد قرآن مجید میں کھول کر بیان کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان وہ سب کام کرے جن سے خدا کی خوشنودی حاصل ہو اور اس کی ناراضگی ہرگز نہ مُول لی جائے۔ بلا شُبہ یہ راستہ دُشوار ہے لیکن ہے نفع مند۔ خدا کی عبادت اس کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے کا نام ہے اور یہ خدا کی رضا حاصل کرنے کی پہلی شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ (۴ : ۱۲۶)

حضرت مسیح موعود نے نہایت ہی پُر زور الفاظ میں اسلامی عبادت کی اہمیّت بیان کی ہے اور اپنے پَیرو کاروں کو اسلامی اصولوں کی صحیح پابندی کرنے پر زور دیا ہے کیونکہ اس کے بغیر وہ سچّے مسلمان اور حضرت احمد کے حقیقی پَیرو کار نہیں بن سکتے حتّٰی کہ آپ نے یہاں تک فرمایا کہ اگر ایک شخص کے دل میں رتّی بھر بھی دنیوی زندگی کی چاہت ہو گی تو اس کی رُوح اور دل خطرہ میں ہوں گے۔

ہر ایک شخص کا رُوحانی مرتبہ ایک سا نہیں ہوتا لیکن شیطانی رکاوٹوں پر عبور حاصل کرنے اور نیکی میں ترقی کرنے کی خواہش ہر مسلمان کے دل میں آگ کی طرح جلتی رہنی چاہیئے اور جب تک یہ رُوح اس انسان میں زندہ ہو گی اس کی مخلص کوششیں خدا کے فضل سے اس کی کمزوریوں پر پَردہ ڈال دیں گی حضرت

بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ نے فرمایا ہے :

" خدا کی رضا اور خواہش تمہارے دماغ میں ہر وقت حاضر رہنی چاہیئے
خدا کی خوشنودی اور ناراضگی ہر وقت ہمارے مدِّنظر اور اس کی
محرّک ہونی چاہیئے۔"

یہ وہ زندگی ہے جسے کامیاب کہا جا سکتا ہے اگرچہ مسلمانوں کو قرآن پاک ہدایت کے لئے نوازا گیا ہے اِس کے باوجود بہت سے لوگ روپیہ اور دولت حاصل کرنے کے لئے دیوانے ہوئے جا رہے ہیں یہ سوچ کر کہ صحیح ترقی اور خوشحالی روپیہ حاصل کرنے میں ہے لیکن اگر ان کے دلوں میں اسلام کے لئے صحیح محبّت اور خلوص ہو تو وہ فلاح وہاں حاصل کریں جہاں کہ یہ واقعی موجود ہے ارشادِ ربّانی ہے :۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ۝ (۸۷ : ۱۵ تا ۱۸)

حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ نے خدا تعالیٰ سے پورے دِل سے محبّت کی اہمیت پر بہت زور دیا ہے آپ نے فرمایا ہے :

" خدا کی طرف مکمّل طور پر متوجّہ ہو جاؤ حتّٰی کہ تمہارا دل اِس دُنیا سے
اچاٹ ہو جائے۔"

اگرچہ ہمیں اِس دُنیا میں رہنا ہے تاہم اِس دُنیا کی لالچ اور دولت کی محبّت ہماری روحانی ذمّہ داریوں سے زیادہ نہ بڑھ جائے۔ زندگی کیا ہے ؟ یہ تو خواب کی طرح آتی جاتی ہے ہمارا طبعی جسم تو صرف ایک خول ہے جس میں ہمارا رہنے والا

جسم یعنی "رُوح" رہتا ہے اس کے باوجود انسان اپنی بیوقوفی اور جہالت کی بناء پر اِس دُنیا کی نعمتوں کو رُوحانی نعمتوں پر ترجیح دینے میں مشغول رہتا ہے۔

حضرت بانیٔ سِلسلہ عالیہ احمدیہ کو اِس زمانہ میں مسلمانوں کے دلوں کے اندر خدا کی محبّت جگانے کے لئے اور تمام نوعِ انسانی کو اِسلام کی طرف دعوت دینے کے لئے بھیجا گیا ہے حضرت احمد نے اِس الٰہی مشن کی بنیاد نہایت کامیاب طریق سے رکھی تا آپ اسلام کا پیغام اور رُوحانی برتری کو دوسروں تک پہنچا سکیں۔ آپ نے اپنے پیرو کاروں کو نصیحت کی کہ وہ اپنے کِردار اور زندگی کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق ڈھالیں اور اس کے مطابق عبادت کی عادت کو اپنی عادت بنانے کی کوشش کریں۔

۱۶

ایک احمدی کا رول

احمدی وہ مسلمان ہے جو یقین رکھتا ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب بانیٔ جماعت احمدیہ مسیح موعود اور مہدیٔ معہود تھے۔ آپ کے ظہور کی پیشگوئی حضرت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ سے پہلے آنے والے انبیاء بشمول حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے کی تھی تاہم یہ صرف ایک نظریاتی دعوٰی ہے اور بذاتہٖ صرف ایک لیبل کے سوا کچھ نہیں ہے۔

بانیٔ جماعت احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب بلاشُبہ اللہ کے رسول تھے آپ نے تمام نوعِ انسانی کو اپنے دعوٰی کی صداقت کو قبول کرنے کی دعوت دی مگر بات اِس حد تک ہی نہ رہی بلکہ آپ نے فرمایا کہ اسلام واحد عملی دین ہے جو قرآنی تعلیمات اور حضرت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے سامنے مکمّل طور پر سرِ تسلیم خم کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ اِس مقصد کے حاصل کرنے کی تمنّا اور ارادہ ہر احمدی کو کرنا چاہیئے اور اسلام کے اصول اس کی روزمرّہ زندگی میں عمل پذیر نظر آنے چاہئیں۔ حضرت مسیح موعود نے فرمایا :-

"اِسلام کیا ہے؟ یہ ایسی آگ ہے جو تمام سفلی خواہشوں کو ختم کر دیتی ہے یہ جُھوٹے خداؤں کو جلا دینے اور اپنی جان و مال اور عزّت کو خدا کی خاطر قربان کرنے کا نام ہے۔"
(اسلامی اصول کی فلاسفی)

ایک احمدی سے خدا اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبّت کے اظہار کی توقع یُوں کی جاتی ہے کہ وہ اپنی زندگی اسلام کے اصولوں کے مطابق ڈھال لے وہ دُنیوی مال و دولت اور آسانیوں کو اس کی رُوحانی ذمّہ داریوں کے آگے دیوار نہ بننے دے اس کے دماغ پر ہر وقت یہی خیال چھایا رہے کہ وہ اپنے کِردار کو خدا کی رضا اور خواہش کے مطابق ڈھال لے۔

حضرت مسیح موعود صرف مذہبی مسائل مثلاً ختمِ نبوّت کے معنی، حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی وفات، معراج کی حقیقت، موت کے بعد زندگی وغیرہ کی وضاحت کرنے کے لئے تشریف نہ لائے تھے۔ ان کی اہمیّت اپنی جگہ لیکن آپ کی آمد کا اصل مقصد اسلام کے اصولوں پر عمل کے ذریعے عالَمِ انسانیّت کی اِصلاح تھا۔

ایک احمدی کا طُرّہ امتیاز اسلام جیسے دینِ فطرت سے مربوط تعلق ہونا چاہیئے اور اس تعلق کا یہ حال ہو کہ خدا کے قوانین سے ذراسی بے تعلقی سے اس کو نفرت ہو۔ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں کہ اگر ایک احمدی کے دِل میں ذرّہ بھر بھی دُنیا کی چاہت یا ملونی ہوگی تو وہ سچّا احمدی نہ گِنا جائے گا جس کا مطلب یہ ہے کہ دُنیوی لالچ یا حِرص کی خاطر اِسلام کے کسی قانون یا اصول کو نظر انداز نہ کرو۔ ایک احمدی سے نہ صرف مذہب کی بنیادی تعلیمات پر غور کرنے بلکہ مذہب کی ضروری باتوں اور لطیف نقاط کو

جاننے کی بھی توقع کی جاتی ہے جو دوسروں کے لئے خواہ اہمیت نہ بھی رکھتے ہوں۔
میرے نزدیک ایک احمدی کے مندرجہ ذیل رول ہیں :۔

۱ - مذہب اسلام کا سپاہی
۲ - اِسلام کا سفیر
۳ - اِسلام کا مبلّغ
۴ - اِسلام کا سچّا خادم
۵ - اِسلام کا محافظ
۶ - اِسلام کا سچّا نمونہ

مذہب اِسلام کا سپاہی

ایک سپاہی کی کئی خصوصیّات ہوتی ہیں ان میں سے ایک خصوصیّت ملک و قوم کی خدمت کرنا اور مشکل حالات میں قوم کے لئے لڑنا ہے وہ اپنے ملک اور قومی جھنڈے کے لئے اپنی تمام صلاحیّتیں استعمال میں لاتا ہے۔

احمدی خدا کا سپاہی ہے جو اسلام کے جھنڈے کی حفاظت کے لئے وقف ہو چکا ہے وہ پُر امن ذرائع سے اِسلام کے دفاع اور تبلیغ کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے۔ ایک سپاہی کی حیثیت سے وہ گھر میں بیٹھا مسلمان نہیں بلکہ رُوحانی تلوار ہاتھ میں لئے وہ ہر طرف جاتا ہے۔ جب اسے اپنے فرض کے لئے بُلایا جاتا ہے۔ تو وہ سخت گرمی یا برفباری اور ریخ بستہ ہواؤں سے گھبراتا نہیں ہے اس کے پختہ ایمان اور عقیدہ کا ثبوت یہ ہے کہ وہ اِسلام کی محبّت میں ہر قسم کی صعوبتیں سہنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ ایک احمدی دُنیا کے بڑے بڑے اکابرین کی زندگیوں سے سبق لیتا ہے ان کی خوبیوں کو اپنانے کے لئے وہ کوشاں رہتا ہے تا وہ اِسلام کی خاطر بہتر طریق سے جہاد کر سکے۔

اِسلام کا سفیر

ایک احمدی پر بڑی بھاری ذمّہ داری عائد ہوتی ہے کیونکہ وہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود و مہدئ معہود کا نمائندہ ہے۔ حضرت مسیح موعود کی بعثت کی پیشگوئی حضرت نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں۔

حضرت مہدئ معہود نے اپنے ماننے والوں کو سخت تاکید کی کہ وہ عملی مسلمان بن کر دکھائیں۔ ایک احمدی کو اسلام کا ایک معزّز سفیر بن کر پُورے جوش و جذبہ سے اس کی تمام تعلیمات پر عمل کرنا چاہیئے۔

یہ بات صحیح ہے کہ وہ مذہب جو کرامات نہیں دکھلاتا ایک مُردہ مذہب ہے یہ جانتے ہوئے ایک احمدی پر دُنیا کی نظریں جمی ہوئی ہیں کہ وہ احمدیت کی تعلیمات پر پورے خلوص سے عمل کرتا ہے یا نہیں لیکن اس سے اہم بات یہ ہے کہ خُدا کی نظریں بھی اس پر لگی ہوئی ہیں۔

ایک دُنیوی سفیر جس حکومت کی نمائندگی کرتا ہے وہ اس حکومت کا نشان ہوتا ہے اسی طرح ایک احمدی کو احمدیت کا سفیر ہونے کے ناطے اس کی تعلیمات کا نشان ہونا چاہیئے۔

اِسلام کا مبلغ

پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول تھے۔ آپ نوعِ انسانی

کے لئے خدا کا آخری پیغام لائے۔ ایک احمدی پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنا مذہب دوسروں تک پہنچائے جب بھی موقع ملے دوسرے مسلمانوں کو احمدیت سمجھانے کی کوشش کرے اور ان کو مشورہ دے یہ بات قرآنی تعلیم کے عین مطابق ہے کیونکہ قرآن پاک میں مسلمانوں کو نصیحت ہوئی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو نصائح کریں۔

جماعتِ احمدیہ اسلام کا پیغام ہر شخص تک پہنچانے کے لئے مصروفِ کار ہے اور یہ اس دن کو قریب لانے کی کوشش کر رہی ہے جب مذہبِ اسلام دُنیا میں غالب آجائے گا۔

ایک احمدی اِسلام کا مبلّغ ہے وہ ہر زید بکر کو تبلیغ کرتا ہے اور کامیاب تبلیغ کا ایک گُر یہ ہے کہ وہ اُس بات پر خود عمل کرے جس کی وہ تبلیغ کرتا ہے یہ بات وہ اچھی طرح جانتا ہے کیونکہ یہ بات قرآن مجید کا خلاصہ ہے چنانچہ تبلیغ کے میدان میں یہ بات کامیابی کی کنجی ہے۔

اِسلام کا خادم

ایک احمدی اِسلام کا خادم ہے ایک سچّے خادم کی ۲ دو خصوصیّات ہیں ایک وہ عزّت کرتا ہے دوسرے وہ وفادار ہوتا ہے۔

خدا کی عزّت اور اس کی مخلوق کی عزّت اِسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے خدا قادرِ مطلق ہے اور خدا ہی سب سے زیادہ عزّت اور محبّت کا مستحق ہے خدا کی مخلوق اس کی تخلیق ہے اِس لئے اسے بھی کماحقّہ، عزّت دینی چاہیئے۔

خدا کا خادم ہونے کی حیثیّت سے ایک احمدی خدا کا تابعدار ہوتا ہے خدا

کے احکامات پر عمل کرنے میں وہ حد سے زیادہ محتاط ہوتا ہے نیز وہ خدا کی ناراضگی کا باعث ہونے کے بارہ میں بہت ہی محتاط ہوتا ہے وہ نماز باقاعدگی سے پڑھتا ہے اور روزے رکھتا ہے اور زکوٰۃ دیتا ہے اور تمام وہ چندے دیتا ہے جن کا اسلام نے حکم دیا ہے۔ وہ حضرت مسیح موعود اور آپ کے خلفاء کی ہدایات کے مطابق چندے دیتا ہے۔ وہ جوا کھیلنے سے پرہیز کرتا ہے۔ جھوٹ نہیں بولتا اور غیبت نہیں کرتا۔ وہ دھوکا نہیں دیتا اور تمام دوسری ممنوعہ باتوں سے دور رہتا ہے نیز خدا کی اطاعت ہمیشہ اس کا مطمح نظر ہوتا ہے۔

اِسلام کا محافظ

مذہبِ اِسلام پر اِس وقت ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں۔ اس کے دشمن اپنی جہالت کے باعث یا تعصّب کی وجہ سے اسے بدنام کرنے کی پوری کوششیں کر رہے ہیں۔ اِسلام شاید آج وہ واحد دین ہے جس کو سب سے زیادہ غلط رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔

احمدی نہ صرف اپنی اصلاح کے لئے اِسلام کے بارہ میں علم حاصل کرتا ہے بلکہ وہ اس کے معترضین کے اعتراضات کا جواب دینے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرتا ہے۔

اعتراض کیا جاتا ہے کہ اِسلام انسان کا بنایا ہوا مذہب ہے جس میں کوئی روحانیت نہیں ہے اس کے برعکس ایک احمدی اپنی زندگی میں یہ بات ثابت کرتا ہے کہ اسلام زندہ مذہب ہے جو ایک اِنسان کے کِردار کو خوبصورت اور رُوح کو

پاک کرتا ہے۔

ایک احمدی مثالی کردار اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے پوری سعی کرتا ہے کیونکہ کسی دوسری چیز سے زیادہ اس عمل سے اسلام کی روحانیّت زیادہ ثابت ہوتی ہے۔ ایک احمدی اسلام کا دفاع اسلامی زندگی سے خوب کرسکتا ہے۔

اِسلام کا نمونہ

احمدی وہ ہے جسے روحانی صداقتوں سے آگاہ کیا گیا ہے جو دوسروں کے لئے ابھی تک مخفی ہیں۔ یہ صداقتیں اس کے دل پر یُوں منقّش ہیں گویا وہ صرف خدا کی گود میں ہی سکون پاتا ہے۔ ایک اِنسان ہونے کے ناطے وہ اپنے رشتہ داروں اور دوستوں سے محبّت ضرور کرتا ہے لیکن ان رشتوں کی کشش کے باوجود خدا تعالیٰ سے اپنی فرمانبرداری کو کبھی فراموش نہیں کرتا۔

جب ایک احمدی صحیح معنوں میں سپاہی، سفیر، مبلّغ، خادم، محافظ بن جاتا ہے تب وہ اِسلام کا کامل نمونہ بنتا ہے جیسا کہ حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ فرماتے ہیں:۔

"خدا اِنسان کی آنکھ ہوجاتا ہے جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے اور زبان ہوجاتا ہے جس کے ساتھ وہ بولتا ہے اور ہاتھ ہوجاتا ہے جس کے ساتھ وہ حملہ کرتا ہے۔ اور کان ہوجاتا ہے جس کے ساتھ وہ سُنتا ہے۔ اور پَیر ہوجاتا ہے جس کے ساتھ وہ چلتا